درس حدیث

محمد اظہر مدنی

مجلس کے آداب

عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ عنہ تعالی عنہ قال: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلاثۃ نفر، فاقبل اثنان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذھب واحد، قال: فوقفا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فاما احدھما فرای فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا، واما الآخر فجلس خلفھم، واما الثالث فادبر ذاھبا، فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال:" الا اخبرکم عن النفر الثلاثۃ، اما احدھم فاوی الی اللہ فآواہ اللہ، واما الآخر فاستحیا فاستحیا اللہ منہ، واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ"

ابوواقد اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے کہ تین آدمی وہاں آئے (ان میں سے) دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے اور ایک واپس چلا گیا۔ (راوی کہتے ہیں کہ) پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے (جب) مجلس میں (ایک جگہ کچھ) گنجائش دیکھی، تو وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا اہل مجلس کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا جو تھا وہ لوٹ گیا۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی گفتگو سے) فارغ ہوئے (تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ کیا میں تمہیں تین آدمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ تو (سنو) ان میں سے ایک نے اللہ سے پناہ چاہی اللہ نے اسے پناہ دی اور دوسرے کو شرم آئی تو اللہ بھی اس سے شرمایا (کہ اسے بھی بخش دیا) اور تیسرے شخص نے منہ موڑا، تو اللہ نے (بھی) اس سے منہ موڑ لیا۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث میں مجلس کے آداب کی اہمیت بتائی گئی ہے اور اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایسی مجلس جہاں پر انسان کے خیر وفلاح کی بات ہو رہی ہو اس میں شرکت کرنی چاہیے اور ایسی مجلس کے موقع پر مجلس کے آداب پر عمل کرنا چاہیے لیکن موجودہ دور میں بیشتر لوگ نے مجلس کے آداب کو فراموش کر دیتے ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ مجلسوں میں لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھنے کے بجائے ایک دوسرے کی پریشانی کا سبب بنتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی رجحان ہے کہ لوگ غیر ضروری مجالس میں بہت ہی دلچسپی اور دلجمعی سے شرکت کرتے ہیں اور اس میں کافی بھیڑ نظر آتی ہے لیکن دینی مجالس اور جہاں پر اللہ اور اس کے رسول کی باتیں اور انسان کی عاقبت وآخرت میں نجات کی باتیں ہوتی ہیں اس میں دلچسپی اور دلجمعی سے شرکت سے گریز کرتے ہیں اور اگر شرکت بھی کرتے ہیں تو مجلس کے آداب کا خیال نہیں کرتے ہیں مذکورہ حدیث میں مجلس کے آداب کا خیال رکھنے اور دینی مجالس میں شرکت کی ترغیب دی گئی ہے مجلس کے آداب کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ قران کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ** ''اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کھل کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ کر دو اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو تم اٹھ کھڑے ہو اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں۔ درجے بلند کر دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو۔ خوب خبردار ہے۔'' (المجادلہ:۱۱)

دوسری روایتوں میں بھی آدابِ مجلس کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے ایک روایت میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو لوگ بالغ اور عقل مند ہیں انہیں میرے قریب کھڑے ہونا چاہئے۔'' (ابوداؤد، حدیث: 674) اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو ان کے مرتبے اور منصب کے مطابق بٹھاؤ۔'' (ابوداؤد) مجلس کے آداب میں شامل ہے کہ کسی کو بلا وجہ اس کی جگہ سے نہ ہٹاؤ۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''کوئی شخص مجلس میں سے کسی کو اٹھا کر خود اس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔'' (مسلم، ص923، حدیث: 5683) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی دوسری روایت میں ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ایک شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے البتہ ہونا یہ چاہئے کہ دوسروں کے لئے جگہ وسیع کر دو۔ (بخاری) اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو مجلس کے آداب واطوار کا خیال رکھنے اور دینی مجالس میں شرکت کی توفیق عطا فرمائے۔ ☆☆

اصغر علی امام مہدی سلفی

اداریہ

قیام امن وامان مومن کی پہچان، قرآن کا اعلان

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سراپا امن وسلامتی اور سلم وصلح اور آشتی کا بے نظیر وبے مثال دین کامل ہے۔اس میں عدل وانصاف،مساوات ،احسان،مروت اور ہر طرح کی ہمدردی اور غمخواری کی تعلیم دی گئی ہے اور انہی سب چیزوں کو مدار دین وایمان ٹھہرایا گیا ہے، بلکہ ان کو انسان کے مرتبہ ومقام کا معیار بھی ٹھرایا گیا ہے۔ایک ہی خالق ومالک اور مولی کی مرضی وخوشنودی کی خاطر سارے جذبات، نیات، خدمات،شہوات ، لذات اور اشواق واذواق کو مکمل تابع اور غلام بنادینے کا نام ایمان ومسلمان ہے۔وہ ایک سر جو اپنے مالک حقیقی کے آگے جھکتا ہے اور اس کا حکم بجالاتا ہے اور ماسوی اللہ جل شانہ کا انکار کرتا ہے دراصل وہ راز ایمان واسلام اور انسان ودنیا جہاں پا جاتا ہے۔ایک کو ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ انیک سے اپنا رشتہ ختم کرکے مالک ومولی آقا ودا تا ،نافع وضار اور محبت وپیار اور جزاوسزا کا مالک ومختار صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کو مان کر کسی بھی مخلوق سے نہ طمع وحرص رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی چاہتوں ،محبتوں ،نفرتوں، ساری امنگوں ،خواہشوں ، دلچسپیوں ، آرزؤوں اور تمناؤں ،عبادتوں کا محور ومرکز صرف وصرف اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو پھر وہ اپنی مرضی ودلچسپی اور نفع ونقصان ذاتی طور پر کچھ نہیں رکھتا بلکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا رنگ میں رنگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رنگ جو اپنائے اس سے بہتر انسان کون بن سکتا ہے؟ حدیث قدسی میں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو اس کے خلاف میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج ، زکوۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کرکے مجھ سے اتنا نزدیک

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
مولانا محمد خورشید عالم
مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
راضی بقضاء الٰہی ۱۰
علوم حدیث کی اہمیت ۱۲
معجزہ معراج بزبان صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶
اعمالِ صالحہ پر مداومت کے فوائد وثمرات ۱۸
اسلام اور دہشت گردی ۲۲
جماعتی خبر ۲۵
باب من اجاز الطلاق الثلاث ۲۶
مولانا عبدالجلیل سامرودی ۲۹
اپیل ۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۶ ۱۱۰۰۰۶
www.ahlehadees.org ویب سائٹ
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔ (صحیح بخاری)

جس انسان کی یہ شان ہو جائے۔ بھلا بتاؤ کہ وہ کبھی بھی اس ارحم الراحمین اور رب العالمین کی مخلوق اور اس کی ادنیٰ تخلیق کی گئی خلقت اور کائنات میں فساد برپا کر سکتا ہے۔ اس کی حکمت ومحبت اور چاہت کے خلاف کچھ کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ ذرہ ذرہ کا حق ادا کرے گا کہ اس کے رب کی پیدا کی گئی جان ہے۔ حیوان ہے نباتات ہے جمادات ہے خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں، فضاؤں میں ہو یا ہواؤں میں، اسے کیونکر مسموم کر سکتا ہے۔ وہ کسی کو ادنیٰ تکلیف پہنچانے کو سوچ ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ عقل وخرد کا مالک احساس کامل اور فہم ثاقب، دل دردمند اور قلب فکرمند کا مالک حضرت انسان اپنے بھائی اور کنبہ وقبیلہ جو فقط پہچان وعرفان اور احترام ومحبوب ہونے اور گلے لگانے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان سے رنگ ونسل کے نام پر کیونکر بھید بھاؤ رکھے گا۔ وہ کسی کی تحقیر وتذلیل کی کیونکر سوچ سکتا ہے۔ کیا وہ اتنا گرا ہوا ہے کہ اپنے محسن اعظم کو ہی عیب دار بنا جائے گا اور اس کی صنعت وکاریگری میں عیب جوئی کرے گا، کیا کسی کو ناٹا کہہ دینا، پھر گورے کالے کا طعنہ دینا، رنگ ونسل اور قوم وجغرافیہ کے نام پر برا گردانا اور عداوت وبغض رکھنا حتی کہ اس کو نقصان پہچانا اور قتل کر دینا کیا ایک ایمان دار کے لئے اور اسلام اور اللہ تعالیٰ کا نام لینے والوں کے لئے گوارہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسلام نے ظلم وعدوان، سرکشی وفساد اور خوں ریزی کو حرام قرار دیا ہے۔ زراعت اور زر وجان سے امان وسلامتی کے لئے کڑے قانون بنائے اور ایک دوسرے سے دفاع کرنے اور بلا کسی ادنیٰ ظلم وزیادتی کے لئے بالمثل بدلہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ ہو سکے تو معاف کر دینے کو بہتر بتایا۔ اگر انصاف کا دامن اور عدل کا ترازو قائم کرنا نہ ہوتا تو وہ شاید عفو ودرگذر اور صبر وشکیبائی کو مردانگی اور عزیمت وہمت کے اعلیٰ کاموں میں شمار کرنے کے ساتھ اسے فرض ہی کر دیتا۔ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ''اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔'' (الشوریٰ:۴۳) وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ''اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔'' (آل عمران:۱۸۶)

اور یہ عدل وانصاف کا ترازو دوست ودشمن، اپنے پرائے اور قریب وبعید اندرونی وبیرونی محلی وبین الاقوامی ہر سطح پر قائم کرنا فرض قرار دیا گیا۔ اندرونی وآپسی معاملات ہوں یا انسان کے بین الاقوامی تعلقات سب میں یکساں طور پر عدل گستری ضروری قرار دی گئی۔ دیکھو مسلمان جان وایمان کو قربان کرنا آسان سمجھتا ہے حق کی خاطر، لیکن جب اس کی مقدس ترین جگہ مساجد کی بات آتی ہے خصوصاً مسجد حرام کی تو اس میں جنگ وجدال کو کتنا بڑا گناہ سمجھتا ہے اور ایسی جگہ لڑنے بھڑنے والوں کے خلاف اس کے دل میں کیسی شدید نفرت ہوگی؟ دوسری جانب غور کرو کہ اس حرم میں جہاں ایک ادنی سی گھاس اور تنکا اکھاڑ پھینکنا حرام ہو ایک چڑیا کو اپنی کسی حرکت سے برانگیختہ کرنا یا اڑا دینا حرام ہو، جہاں باپ کا قاتل بھی پناہ لے لے تو اس پر ہاتھ اٹھانا حرام ہو، جس میں لعل وگہر اور ادنی گری پڑی چیز کو اٹھا کر رکھ لینا حرام ہو بھلا وہاں کوئی مسلمان جنگ وجدال، قتال ونزال کرنا کیسے جائز سمجھے گا؟ لیکن فتنہ کو دبانے کے لئے جنگ گوارہ کرنا پڑتا ہے۔ شاہراہ حق سے ہٹانے کا کام کتنا بڑا فتنہ ہے، اس میں اس کے تقدس کو اور شعائر کی تعظیم کرنے والوں، اعتکاف، رکوع وسجود اور طواف کرنے والوں کو روکنے والوں سے جنگ اور قتال وحرب کا بازار گرم کرتا ہے۔ اور اس میں الحاد پھیلاتا ہے، خون ناحق بہاتا ہے۔ اور جنگ وقتال کا بازار گرم کر کے خون مسلم کی ارزانی کرتا ہے تو اس دفاعی جنگ کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہوتی ہے تو تم اسے قتل وغارت گری اور سنگین جرم قرار دیتے ہو اور اسلام اور مسلمانوں اور قرآن کو شدت پسندی سے جوڑتے ہو۔ میرے بھائی اس مسلط کی ہوئی جنگ میں قتال کے لفظ سے غیر مسلموں کے خلاف کافروں کی گردن زدنی نہ قرار دے کر اس سبق کو پھر دہراؤ جس میں مسلمانوں کو مسلم باغیوں اور صلح کو نہ ماننے والوں کے خلاف فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ''تو تم سب اس گروہ مسلم سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف

لوٹ آئیں'' (الحجرات:۹) کی شکل میں اولیاء الامور کو حکم دیا گیا ہے۔ آخر کیا اسے مسلم کشی اور قتل مسلم قرار دوگے یا تم اسے اسلام کا زریں اصول مانوگے اور حق وانصاف کا بول بالا قرار دینے والا حکم مانوگے اور اس کی انصاف پروری اور عدل گستری کا گن گاؤ گے۔

اس آیت کریمہ پر غور کرو اور اسلام کے عدل وانصاف اور اس کے نازک سے نازک ترین وقت اور حالت میں بھی ادنی زیادتی سے بچنے کی تلقین وتعلیم گوش گذار کرو! ارشاد ہے۔ وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَاب ''جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (المائدہ:۲)

وہ گھر جو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے بنایا گیا تھا اور جس کی طرف قلب سلیم کے مالک تمام انسانوں کے دل کھنچے چلے جاتے ہیں اور جس سے زیادہ کسی اور گھر کو وہ تقدس اور مرتبہ بلند حاصل نہیں جو اس کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کی نظر میں روئے زمین پر اس سے زیادہ تکلیف کی نہ کوئی بات ہوسکتی ہے اور نہ اس سے بڑا کوئی دشمن ہوسکتا ہے جو اس گھر سے خود مسلمانوں کو روک دے۔ اس کے علاوہ اس سے ان کے اور بہت سے جذبات وعقیدت اور خیرات و برکات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی اس گھر میں حاضری سے روک دے تو مسلمانوں پر کیا گذرے گی؟ خصوصاً جبکہ ان کو ان کے گھر سے نکالا گیا تھا، مسجد جانے سے روک دیا گیا تھا، ان سے جنگ کی گئی تھی، گویا اس سے بے دخل کر کے دیس نکالا دے دیا گیا تھا۔ اس وقت حکم ہوتا ہے کہ ان سب دشمنوں کی دشمنی کو خاطر میں نہ لاؤ اور انصاف وعدل سے کام لو۔ حالات کے جبر اور معاملات سے مجبور ہو کر ناانصافی پر مت اتر آؤ، اچھے کاموں میں تعاون جاری رکھو۔ تقوی جو تمام نیکیوں کی جڑ وبنیاد ہے اسے اختیار کرو اور گناہ اور ظلم وزیادتی نہ خود کرو، نہ کرنے والوں کا ساتھ دو بلکہ ہو سکے تو ان لوگوں کا بھلا کرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یاد رکھو کہ ہر عمل کا بدلہ مل کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں، زیادتی کرنے والوں اور اچھے کاموں سے روکنے والوں کو سخت عذاب دے گا۔

قول وعمل اور کردار وگفتار سب میں عدل مطلوب ہے۔ اس دوسری آیت کریمہ کا مطالعہ کریں ارشاد ہے: وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى وَبِعَهْدِ اللّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُون ''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے۔ تاکہ تم یاد رکھو!'' (الانعام:۱۵۲)

مسلمانوں سے جو واقعی اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین کو دل سے مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ان سے اس سے زیادہ کا مطالبہ ہے۔ کیونکہ عدل وانصاف کا تقاضہ تو ایک طرح سے بدلہ ہے اور بالمثل بدلہ سے اس کا عدل وانصاف کا معاملہ حل ہوجائے گا جو حق دار کا حق دلا دیا گیا یا دے دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مسلمان جیسے عظیم لوگ صبر کرتے جائیں اور عفو ودرگزر کا معاملہ کریں اس کے بندوں کے ساتھ خواہ وہ جانی دشمن کیوں نہ ہوں اور اللہ ورسول کے باغی کیوں نہ ہوں مشرکین ویہود ہی کیوں نہ ہوں جن کے بارے میں معلوم ہے کہ لا یرقبون فی مومن الا و لا ذمۃ وہ کسی بھی مومن کو بخش ہی نہیں سکتے ایسے بھی مشرکوں، کافروں اور یہودیوں کے بارے میں مومن کا اصل کام یہ بتایا گیا کہ تمہاری اولوالعزمی بہادری، بلند ہمتی وہ کارنامہ ہے کہ ان کی اذیتوں پر صبر وضبط اور ان سے عفو ودرگزر کیا جائے اور مسلمانوں کے کرنے کے کام تو یہی ہیں کیونکہ مسلمانوں کا دوسروں کے ساتھ عدل وانصاف کرنا حد ادنیٰ ہے یہ تو کم از کم کرنا ہی ہے۔ ورنہ ان کا اہم کام صبر کرنا اور معاف کرنا ہے۔ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو دو قدم آگے بڑھ کر ان کو معاف ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ظلم وستم اور سب وشتم پر دعا دیتے تھے اور ان ہی کے غم میں مرتے تھے وہ رحمۃ للعالمین تھے بدر وحنین اور فتح مکہ کے جشن طرب اور جوش انتقام کے موقع پر رحمت ومغفرت اور عفو وکرم اور عام معافی کا اعلان کرتے جاتے تھے، طائف کے ہلڑ بازوں، اوباشوں، ظالموں دندان مبارک کے شہید کرنے والوں، سر میں زخم کاری لگانے والوں، کتوں کے ذریعہ شکار اور ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والوں کو بھی یہی نہیں کہ معاف کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ الملک القہار والجبار المومن المہیمن المتعال کے غیظ وغضب کو اپنی دعاؤں اور خاص اداؤں سے ٹھنڈا کر دیا۔ جب علی الاعلان کہہ دیا۔ الیوم یوم المرحمۃ اذھبوا انتم

الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم اور اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون اوراسی پر بس نہیں کیا ہے دشمن جانی وایمانی کے دیئے گئے زخموں کے درد وتکلیف اور اس سے اٹھنے والی ٹیس کی پرواہ نہ کرکے ان دشمنان اسلام والمسلمین کوکل پہنچنے والی ذلت وعذاب کی مار اور آج جہالت ونادانی کی وجہ سے ایسی پستی اورقعر مذلت میں پہنچنا اس قدر ستارہی ہے کہ وہ اس کے غم میں گھلے جارہے ہیں اوراس کرب ودرد اور اضطراب وبے چینی اورغم وحزن کو اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہیں، یوں بیان فرماتے ہیں۔آہ اس اسلام اس رحمٰن اوراس رحمۃ للعالمین اور انسانیت کے خیرخواہ اور ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی قیمتی اور بیش بہا دولت سمجھنے والے لوگوں کو یہ قوم ظالم دہشت گرد اور متشدد کہتی ہے۔اور انسانیت کا قاتل اور کیا کیا کہتی ہے۔ارشاد ربانی بزبان قرآنی سنواور ہوسکے تو سارے بندھنوں اور ہٹ دھرمیوں سے تائب ہوکر ایمان کی صف میں کھڑے ہوجاؤ، اہنسا اور انسانیت کے سچے عزت واحترام کرنے والے بن جاؤ۔

آج دنیا کہہ رہی ہے کہ کافر مشرک یہودی کے خلاف قرآن جنگ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔اورقتل کرنے کا حکم دیتا ہے دل چاہتا ہے کہ پھر اس آیت کریمہ کو صفحہ قرطاس پر لایا جائے اور اس پر سو سو بار نثار ہونے کا شرف حاصل کیا جائے۔ بلکہ لاکھوں صفحات پر یہ اعلیٰ تعلیمات موجود ہیں اس لئے اسلام اور اپنے رب کے کلام کو پوری ایمانداری سے قلب وذہن میں پیوست کیا جائے کہ یہی تقاضائے عدل وانصاف ہے اور عقل وخرد کا وظیفہ ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيْراً وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ ''یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہاری آزمائش کی جائے گی اور یہ بھی یقین ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی، اور اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔'' (آل عمران:۱۸۶)

ہر فرد بشر کو بلاتفریق مسلم غیر مسلم اور بلاتمیز دوست ودشمن ہر معاملے میں یہ اسلامی قاعدہ اور ضابطۂ اخلاق یاد رکھنا چاہیے ارشاد ربانی ہے:

ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہو۔'' (المومنون:۹۶)

دوسری جگہ ارشاد ہے:وَلَا تَسْتَوِيْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيْمٍ ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گا جیسے دلی دوست اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والے کے کوئی نہیں پاسکتا۔'' (فصلت:۳۴۔۳۵)

مسلمانوں کی ایک صفت کا ذکر کرکے ان کا منصب بھی بتادیا گیا ہے کہ وہ ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والے حالات میں کیا کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً ''اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔'' (الفرقان:۶۳) عام اوقات اور حالات جنگ میں بھی اس اسلامی قاعدہ اور ضابطہ کو حرز جاں بنانے اور فرض ماننے کی تاکید پر غور کریں۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِيْ الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کردیا۔'' (المائدہ:۳۲)

قتل وغارت گری اور زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے علاوہ جو جان بھی لی جائے گی وہ بذات خود بڑا جرم ہے اور گناہ عظیم ہے اور پوری انسانیت میں ایک خوں ریزی کا بیج بونا ہے کہ ایسے انسان کو پوری انسانیت کا قاتل کہا جائے تو بجا اور حق ہے۔اسی طرح ایک جان کی حفاظت پورے جہان کی جان کو بچالینے اور پوری انسانیت کو حیات وزندگی بخش دینے کے مانند ہے۔

زمین میں فساد وبگاڑ پیدا کرنے والے ظالموں کے بارے میں ارشاد ہے:

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِيْ الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الفَسَاد 'جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد

پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔'' (البقرہ:۲۰۵)

مومن اور صحیح انسان کے لئے آخرت کی خوشخبری ہے محض اس وجہ سے کہ وہ فساد فی الارض نہیں کرتے اور تکبر اور اکڑ سے کام نہیں لیتے۔

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُونَ عُلُوّاً فِیْ الْأَرْضِ وَلَا فَسَاداً وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْن ''آخرت کا یہ (بھلا) گھر ہم انھیں کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے۔ فساد کی چاہت رکھتے ہیں پرہیز گاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔'' (القصص:۸۳)

اسلام ہر طرح کی کمی وبیشی اور فساد سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

وَیَا قَوْمِ أَوْفُواْ الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلاَ تَبْخَسُواْ النَّاسَ أَشْیَاءھُمْ وَلاَ تَعْثَوْاْ فِیْ الأَرْضِ مُفْسِدِیْن ''اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔'' (ھود:۸۵) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْیَاءھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِیْ الْأَرْضِ مُفْسِدِیْنَ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔'' (الشعراء۱۸۳)

فرعون جو ظلم واستبداد کے لئے معروف تھا اس کی مذمت میں ارشاد ہے:

وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِیْ الأَرْضِ وَإِنَّہُ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْن ''اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور یہ بات بھی تھی وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا۔'' (یونس:۸۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے: إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِیْ الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَھْلَھَا شِیَعاً یَسْتَضْعِفُ طَائِفَۃً مِّنْھُمْ یُذَبِّحُ أَبْنَاءھُمْ وَیَسْتَحْیِیْ نِسَاءھُمْ إِنَّہُ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْن ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ بنا رکھا تھا اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا۔ اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا بیشک وہ تھا ہی مفسدوں میں سے'' (القصص:۴)

برے لوگوں کی نشانی وَیَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّہُ بِہِ أَن یُوصَلَ وَیُفْسِدُونَ فِیْ الأَرْضِ أُولَئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُون ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (البقرہ:۲۷) وَالَّذِیْنَ یَنقُضُونَ عَھْدَ اللّہِ مِن بَعْدِ مِیْثَاقِہِ وَیَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّہُ بِہِ أَن یُوصَلَ وَیُفْسِدُونَ فِیْ الأَرْضِ أُولَئِکَ لَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَلَھُمْ سُوءُ الدَّارِ ''اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے۔'' (الرعد:۲۵)

یہود کی مذمت میں ارشاد ہے: کُلَّمَا أَوْقَدُواْ نَاراً لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَھَا اللّہُ وَیَسْعَوْنَ فِیْ الأَرْضِ فَسَاداً وَاللّہُ لاَ یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْن ''وہ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک بھر میں شر وفساد مچاتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔'' (المائدہ:۶۴)

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیات میں اور احادیث وواقعات سیرت طیبہ میں موجود ہیں جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی فطرت اس کی تعلیم وتعامل میں ہے کہ فساد سب سے بری بات ہے اس سے بچنا چاہیے۔ ذرا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جس میں اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسے ملاحظہ کرو: لا تتمنوا لقاء العدو واسئلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتم فاصبروا (متفق علیہ)

دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کے طلب گار بنو اور جب جنگ چھیڑی جائے یا تمہارے اوپر مسلط کر دی جائے تو صبر وہمت سے کام لو اور ڈٹ جاؤ۔

یہ بات فطری اور یقینی ہے کہ اسلام سخت ناگزیر حالات میں جنگ وجہاد کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے لئے اس نے بڑے آداب متعین کئے اور اصول وضابطے بنائے ہیں۔

ظلم وزیادتی کو روکنے کے لئے جہاد وجنگ ہو۔ فَمَنِ اعْتَدَی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُواْ اللّہَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّہَ مَعَ الْمُتَّقِیْن ''جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ:۱۹۴)

ظلم کا بدلہ لینے میں بھی ادنی زیادتی نہ ہو جیسا کہ دوسری آیت میں مثل کے لفظ سے ظاہر ہے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے اور پھر ان اللہ مع المتقین کی خوشخبری اور ترغیب بھی دی ہے۔

وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَ ''لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (البقرہ:۱۹۰)

۲۔ جنگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو اور اسی کی خاطر ہو۔

شیخ صالح الحصین کی توضیح اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کی اس کی تعبیر کے مطابق جنگ و جہاد کا مطلب صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے کوئی شخصی یا قومی مفاد جنگ کے لئے وجہ جواز نہیں، بلکہ دین کی سربلندی کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے جنگ اسلام کی نظر میں غیر شرعی ہے۔ اس مبدا کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے کہ (قتال) جنگ یا جہاد کا قرآن میں شاذ و نادر ہی ذکر بغیر سبیل اللہ کی قید کے آیا ہو۔ کبھی اس کا تذکرہ تقوی سے جڑا ہوا آتا ہے۔

تقویٰ قرآنی اصطلاح ہے، عربی زبان میں اس کا کوئی مترادف لفظ نہیں پایا جاتا، ہوسکتا ہے کہ دوسری زبانوں میں بھی اس کا کوئی مترادف لفظ نہیں پایا جاتا ہو، تقوی کا مطلب انتہائی درجے اخلاقی احساس ہے۔ اس طور پر کہ انسان کے سارے حرکات وسکنات میں اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہوں وہ اپنے اعمال وتصرفات میں وہ اس بات کا شعور وادراک رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اسی کی طرف مر کر جانا ہے۔ مگر عملی نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کب ہوگی؟ اس کی قرآن کریم نے مختلف صورتیں پیش کی ہیں۔ جن سے فی سبیل اللہ کے معنی کی تحدید وتعیین تک پہنچنے کا امکان ہے۔ اور جن سے جنگ کے جواز کی شرائط بھی معلوم ہوجاتی ہیں۔ مثلاً

ظلم وزیادتی پر روک لگانا۔

جیسا کہ ان آیات میں الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ''حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ:۱۹۴)

۲۔ أَلاَ تُقَاتِلُونَ قَوْماً نَّكَثُواْ أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّواْ بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَؤُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ''تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے کیوں نہیں تیار ہوتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کی فکر میں ہیں اور خود ہی اول بار انھوں نے تم سے چھیڑ کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایمان دار ہو۔'' (التوبہ:۱۳)

۳۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنتَصِرُونَ وَجَزَاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ''اور جب ان پر ظلم (زیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ اور جو معاف کردے اور اصلاح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (الشوریٰ:۳۹) میں گزر چکا ہے۔

۴۔ وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُوْلَئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ''اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں ہے۔'' (الشوریٰ:۴۱)

۵۔ وَجَزَاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ''اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کردے اور اصلاح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (فی الواقع) اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔'' (الشوریٰ:۴۰)

۶۔ وَقَاتِلُواْ الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ''اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔'' (التوبہ:۳۶)

مظلومین کی حمایت اور ظلم کے خلاف دفاعی جنگ

۱۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّـهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ''جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کررہے ہیں انھیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنھیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی سب ڈھائے جاچکے ہوتے، جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔'' (الحج:۳۹۔۴۰)

۲۔ وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّهِ ''انھوں نے کہا بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے۔؟'' (البقرہ:۲۴۶)

۳۔ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّـهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُون ''اللہ تعالیٰ تمھیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے لڑائیاں لڑیں اور تمھیں دیش نکالے دیئے اور دیش نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں۔ (الممتحنہ:۹)

۴۔ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری (جماعت) پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے۔ لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو۔ اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (الحجرات:۹)

۵۔ وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کردے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔'' (النساء:۷۵)

زمین میں فساد برپا کرنے کے خلاف دفاعی جنگ

۱۔ إِنَّمَا جَزَاء الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُواْ أَوْ يُصَلَّبُواْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلافٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ الأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ''ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کردیئے جائیں یا سولی پر چڑھادیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلاوطن کردیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔'' (المائدہ:۳۳)

۲۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّـهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّـهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی سب ڈھائے جاچکے ہوتے۔ جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔'' (الحج:۴۰)

ان آیات سے سرسری طور پر پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں جنگ وجدال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اصل چیز امن اور لوگوں کے دین وایمان اور جان ومال کی سلامتی ہے اور اگر امن وامان کو بھنگ کیا جاتا ہے تو اللہ کی راہ میں جان ومال اور دین کی حفاظت اور مظلوموں کے دفاع کے لئے جنگ مجبوری اور ضرورت بن جاتی ہے۔

☆☆☆

راضی بقضاء الٰہی

مولانا عبدالمنان شکراوی، دہلی

ہرانسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سعادت ونیک بختی اورسکون واطمینان اس کے حصے میں آئے۔خوش وخرم زندگی گزارے ،مسائل ومشکلات کا سامنا نہ کرناپڑے۔لیکن صرف خواہش سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس کے وسائل وذرائع کواختیارکرناپڑتاہے۔سعادت ونیک بختی اورسکون واطمینان کے وسائل میں سے اہم ذریعہ خالق کائنات کی لکھی ہوئی تقدیرسے راضی ہوناہے۔جواپنے خالق سے تقدیر کے سلسلے میں راضی ہوگاوہ خوشگوارزندگی جیے گا۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (النحل: ۹۷) ترجمہ:’’جوشخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت،لیکن باایمان ہوتو ہم یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اوران کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرورضرور دیں گے۔‘‘

رضاء الٰہی کوبعض علماء نے واجب تو بعض نے مستحب قرار دیاہے۔لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جوبھی مقدرکردیاہے،اسے خوشدلی سے قبول کیاجائے۔اس نے بندے کے لیے جوبھی روزازل میں مقدرکردیاہے اس سے دل مطمئن رہے،اسی کوراضی برضاء الٰہی کہاجاتاہے۔اللہ نے جوصحت وتندرستی دی ہے اس سے راضی ہوجائے،جومال عطا کیاہے اس پرقناعت کرے،جواولادعطا کی ہے اس پرکسی قسم کا گلہ وشکوہ نہ ہو،اسی طرح جونفع ونقصان ہواس پر جزع فزع نہ کرے،غرضیکہ زندگی کے تمام تر معاملات میں راضی برضاء الٰہی رہے۔اس کے برعکس جوشخص اللہ کے فیصلے پرمعترض ہوگا تواس کا اجروثواب ضائع ہوجائے گااوررنج وغم کی زندگی گزارے گا جسے خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔اس کا اجروثواب ختم اوررنج والم حصے میں آئے گا۔کیونکہ اللہ کی تقدیرلازمی امرہے اگر بندہ اس سے راضی رہتاہے تو تقدیر کے مطابق جوہوناہے وہ ہوگا اوراس پراجروثواب بھی ملے گا۔اس کے برعکس اگر وہ اللہ کے فیصلے سے راضی وخوش نہیں ہوگا تو تقدیر میں جو لکھاہے وہ تو ہوکررہے گاہی،راضی برضاالٰہی نہ ہونے کی وجہ سے گناہگاربھی ہوگا۔

یہ زندگی ابتلاء وآزمائش سے عبارت ہے جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔اللہ کی تقدیر پرراضی ہونے کے لیےاس سے دعا کرتے رہناچاہیے کہ اللہ اسے اس دل کے عمل (راضی برضاء الٰہی) کی توفیق دے کراحسان واکرام کا معاملہ فرمائے۔کیونکہ اللہ کے فیصلے سے خوش رہنا یہ دل کاعمل ہے۔انسان کے جسم میں کسی بیماری سے جودرد محسوس ہوتاہےاس سے اللہ کے فیصلے سے راضی نہ ہونایااس کے فیصلے پرغصہ لازم نہیں آتا۔کیونکہ مریض کڑوی دواپینے سے تکلیف تومحسوس کرتاہےلیکن وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ اس کے لیے فائدہ مند ہے۔ہمیں معلوم ہے کہ تقدیراللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اس لیے وہ اسی سے التجا کرتاہے اورسوال کرتاہے کہ وہ اس سے برائی کودورکردے جیسا کہ ارشادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:’’قضاء الٰہی کودعا ہی بدل سکتی ہے۔‘‘نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعافرمایا کرتے تھے:اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاء (اے اللہ! میں تجھ سے تیری قضاپررضا کا سوال کرتاہوں۔)یعنی تونے جوفیصلہ فرمادیاہے مجھےاس پرراضی رہنے کی توفیق بخش۔

اللہ کی قضاوقدر سے راضی رہنے میں یہ بات بھی معاون ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں۔دیکھیے آپ مکہ سے نکالے گیے تواپنے مالک سے راضی رہے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کوبہتر جانتاہے،وہ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرتا جوحکمت سے خالی اور بے کارہو۔آپ جب شعب ابی طالب میں محصورکردیے گیے اورتین سال وہاں سخت حالات میں گزارے یہاں تک درخت کے پتے کھانے پر مجبورہوئے تب بھی اللہ کے فیصلے سے راضی رہے۔طائف گیے تو وہاں کے اوباشوں نے آپ کے قدمہائے مبارک کولہولہان کردیاپھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قضا وقدر سے خوش رہے۔آپ پر عام الحزن آیاجس میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کاانتقال ہوا جوآپ کی غمخواری وغمگساری فرماتی تھیں اورآپ کے شانہ بشانہ کھڑی رہتی تھیں، آپ کے دادا اور چچا کا انتقال ہواپھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاوقدر پرمطمئن رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وآبرو پرحملہ ہوا اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پرتہمت لگی،لیکن رب ذوالجلال کے فیصلے سے مطمئن رہے۔آپ بیمار بھی ہوتے ، بخارآتا یہاں تک کہ بخار کی شدت کے پیش نظرپانی ڈالا جاتا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سےافضل تھے،آپ کاانتقال ہوااس حال میں کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی، بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھنے پرمجبورہوئےلیکن راضی برضاءالٰہی کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ارشادگرامی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:مؤمن کا معاملہ بھی کتنا عجیب وغریب ہے کہ اگرخوشی میسر ہوتی ہےتو وہ شکرالٰہی سے سرشارہوتاہے جس میں اس کی بھلائی ہے اوراگر پریشانی لاحق ہوتی ہےتو صبروشکیبائی کی تصویربن جاتاہے جس میں اس کی بھلائی ہے۔حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتاہے کہ تم نے میرے بندے کےلڑکے کی روح قبض کی تواس نے کیا کہا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اس نے تیری حمدوثنابیان کی اورانا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔اس پراللہ تعالیٰ

فرماتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد (تعریف کا گھر) رکھو۔ (ترمذی)

صحیحین میں وارد حدیث قدسی ہی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے اس مؤمن بندے کا جس کی، میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے، تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔'' یعنی جو اللہ سے اور اس کی تقدیر سے راضی ہوگیا اس کا بدلہ جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔

اگر ہمیں راضی برضاء الٰہی رہنا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم سیرت صحابہ کا مطالعہ کریں، صبر وشکیبائی کے نمونوں کا مطالعہ کریں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جنگ احد میں ایک پیر کٹ گیا اور اسی دن ان کے ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا تو ان کا صبر دیکھیے، فرماتے ہیں: اے اللہ میرے سات لڑکے تھے تو نے ان میں سے ایک لے لیا اور چھ باقی رکھے، اسی طرح میرے چار ہاتھ پیر تھے تو نے ان میں سے ایک لے لیا اور تین باقی رکھے تو اگر تو نے آزمائش میں ڈالا ہے تو عافیت میں بھی تو رکھا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک بیٹے عبدالملک کا انتقال ہوگیا جو خلافت کے کاموں میں آپ کا معاون تھا اور اس کی عمر انیس سال تھی۔ اسی ہفتے ان کے بھائی کا بھی انتقال ہوگیا اور ان کا غلام بھی فوت ہوگیا تو تعزیت کرنے والے آئے جن میں سے ایک نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ آج آپ سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو۔ میں نے آپ کے بیٹے جیسا نہیں دیکھا اور آپ کے بھائی جیسا نہیں دیکھا اور آپ کے غلام جیسا نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے اپنا سر جھکالیا تو آپ کے کسی ہمنشین نے کہا کہ تم نے امیر المؤمنین کو غم واندوہ میں مبتلا کردیا۔ آپ نے فرمایا: اپنی بات دوبارہ کہو۔ اس نے وہی الفاظ دوہرائے تو فرمایا: اللہ کی قسم مجھے یہ کہنا بھی گوارہ نہیں کہ جو ہوگیا وہ نہ ہوتا۔ اللہ کے فیصلے پر سر تسلیم خم ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں اپنے منہ میں انگارہ رکھوں یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہوجائے یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی کام کے لیے جو ہوگیا ہے، کہوں کہ کاش یہ نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حق میں مستجاب الدعوات ہونے کی دعا فرمائی۔ وہ آخری عمر میں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے وہاں ان کی بینائی چلی گئی۔ حضرت ابن السائب کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس آیا اور اپنا تعارف کرایا تو وہ پہچان گیے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے حق میں دعا کرتے ہیں اور وہ شفایاب ہوجاتے ہیں لیکن اپنی بینائی کی واپسی کے لیے دعا نہیں کرتے۔ فرمایا: اللہ کا فیصلہ اور اس کی مرضی مجھے اپنی بینائی کی واپسی سے زیادہ عزیز ہے۔

اگر ایک مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا تو یہی بات اسے راضی برضاء الٰہی رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (الحدید:۲۲) ترجمہ: ''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے یہ کام اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا: لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (الحدید:۲۳) ترجمہ: ''تاکہ تم اپنی فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہوجایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر گھمنڈ میں آجاؤ اور گھمنڈ اور شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (التغابن:۱۱) ترجمہ: ''کوئی مصیبت اللہ کے بغیر نہیں پہنچ سکتی۔ جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

راضی برضاء الٰہی رہنے کا ایک فارمولہ یہ بھی ہے کہ جو اللہ سے راضی رہتا ہے اللہ بھی اس سے راضی رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (البینۃ:۸) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے۔''

انسان اگر جانتا ہے کہ رضاء الٰہی کا بدلہ جنت ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے اس کی نعمتوں کے بارے سنا نہیں اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال آیا تو وہ خود بخود اللہ کے فیصلوں سے راضی وخوش رہے گا۔ دنیا کا کتنا ہی بڑا گھاٹا ہوجائے، یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اللہ کے پاس اس کا بدلہ ضرور ملے گا تو یہ بات خود ہی اسے مطمئن رکھے گی۔ مصیبت آئے تو آدمی کو دعا کرنی چاہیے: اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا. (اے اللہ میری پریشانی پر مجھے ثواب دے اور اس سے اچھی چیز مجھے عنایت فرما۔)

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ انسان کا درد وتکلیف محسوس کرنا رضاء الٰہی کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ نے فرمایا: بیشک دل غمگین ہوتا ہے، آنکھ اشکبار ہوتی ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب خوش ہو۔ اور ہم اے ابراہیم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔ معلوم ہوا کہ دل کے غم اور آنکھ کے آنسو پر انسان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

یہ بات آپ کے لیے باعث اطمینان ہوگی کہ رضاء الٰہی دل کے امراض جیسے حسد وغیرہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ انسان کو جب معلوم ہوگا کہ رزق کی تقسیم رب الارزاق کی جانب سے ہے تو کبھی بھی کسی کی نعمت پر حسد نہیں کرے گا، اس کا دل صاف ستھرا رہے گا یہاں تک کہ اگر تکلیف بھی پہنچے گی تب بھی اس سے پریشان نہ ہوگا۔ بلکہ وہ جان لے گا کہ یہ اس کا مقدر تھی اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دے گا۔

☆☆☆

علوم حدیث کی اہمیت

مولانا محمد فاروق سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

اللہ رب العالمین کا اس امت پر ایک بہت بڑا احسان واکرام اور انعام یہ بھی ہے کہ اس نے اس امت محمدیہ کو آخری نبی کی امت بنایا جس کے بعد کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو دی گئی بنیادی تعلیمات یعنی کتاب وسنت آج تک من وعن محفوظ ہیں۔ اور تا قیامت محفوظ رہیں گے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے لی ہے۔

فرمان باری تعالی ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر:۹) ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اور قرآن کی حفاظت اس کے الفاظ ومعانی دونوں کی حفاظت پر مشتمل ہے۔ اور اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے کے لیے احادیث رسول کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ حدیث رسول قرآن مجید کی مکمل شرح اور اس کے معانی ومفاہیم کی کامل وضاحت ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل:۴۴)

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔

پس مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث رسول کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود رب العالمین نے لی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی حفاظت کے لیے ابتداء ہی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایسا شوق وجذبہ ڈال دیا کہ جوں ہی قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے جب کے بعض مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو لکھ کر بھی محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ اور ہر زمان ومکان کے اہل علم نے اس چیز کا اس قدر اہتمام کیا کہ ہر ہر آیت بلکہ ہر ہر لفظ کو بھی تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا دیا۔ جس میں تحریف وتبدیل کا ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ اور جہاں تک احادیث رسول کی بات ہے تو اس کو بھی عہد نبوی ہی سے سینوں میں محفوظ کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ کتابت کے ذریعے بھی محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس کی حفاظت وصیانت کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین کی ایک ایسی جماعت کو پیدا کیا جس نے محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے لے کر حرکات وسکنات تک کو ہم تک من وعن پہنچا دیا۔ اور اسلام کی شکل وشباہت اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کو خراب کرنے والے دشمنوں کی کوششوں کو ناکام اور نامراد کر دیا۔ احادیث رسول کی حفاظت کی خاطر علم الرجال، جرح وتعدیل، مصطلحات حدیث، تخریج حدیث اور سند حدیث کے ایسے ایسے علوم وفنون معرض وجود میں آئے کہ پوری دنیا حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتی رہی۔ یقیناً یہ وہ علوم ہیں کہ تمام ادیان ومذاہب میں صرف دین اسلام ہی کو حاصل ہیں۔ فلله الحمد على ذلك انہیں تمام علوم وفنون کے مجموعے کو علوم حدیث کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اور اس کی اہمیت وضرورت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام احادیث کی صحت وضعف کو جاننے کا دارومدار یہی علوم حدیث ہے۔

چنانچہ اس کے مقام ومرتبے اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان علم الحديث من أفضل العلوم الفاضلة وأنفع الفنون النافعة يحبه ذكور الرجال وفحولتهم، ويعنى به محققوا العلماء وكملتهم ولا يكرهه من الناس الا رذالتهم وسفلتهم وهو من أكثر العلوم تولجا فى فنونها لا سيما الفقه الذى هو انسان عيونها ولذلك كثر غلط العاظلين منه من مصنفى الفقها وظهر الخلل فى كلام المخلين به من العلماء. (علوم الحدیث:ص۶)

بے شک علم حدیث سب سے زیادہ مفید اور افضل علوم میں سے ہے۔ مردانہ صفات رکھنے والے لوگ ہی اس کو پسند کرتے ہیں۔ محققین اور باکمال علماء ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور ذلیل وکمتر اور کم ظرف لوگ ہی اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ ان علوم وفنون میں سے ہے جس سے اکثر لوگ گہرا شغف رکھتے ہیں۔ نیز یہ ان علوم میں سے ہے جس کے فنون میں کافی اہتمام کیا گیا خصوصی طور پر فقہ جو کہ انسان کا مقصد ہے۔ اس لیے فقہا کے مصنفین جو اس کو نظر انداز کرتے ہیں ان سے اکثر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اور اس علم کی نفی کرنے والے علما سے خلل ظاہر ہوتے رہتا ہے۔

اور حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وانما صار اكثر لاحتياج كل من العلوم الثلاثة اليه أما الحديث فظاهر واما التفسير، فان أولى ما فسر به كلام الله تعالى ماثبت عن نبيه صلى الله عليه وسلم ويحتاج الناظر فى ذلك الى معرفة ما ثبت بما لو يثبت وأما

الاستدلال بما ثبت من الحديث دون مالم يثبت، ولا يتبين ذلک الا يعلم الحديث (النکت علی ابن الصلاح ۱/۲۲۷)

یعنی علم حدیث کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ علوم ثلاثہ (علم تفسیر، حدیث، فقہ) اسی کے محتاج ہیں۔ جہاں تک حدیث کی بات ہے تو وہ ظاہر ہے اور تفسیر کی بات کریں تو سب سے بہتر تفسیر یہ ہے کہ کلام اللہ کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت حدیث کے ذریعے کی جائے۔ لہٰذا ایک غور وفکر کرنے والا مفسر اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ پہلے وہ جانے کہ کون سی حدیث صحیح اور ثابت ہے، اور کون سی ثابت نہیں ہے۔ اور جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو فقیہ ضعیف اور غیر ثابت شدہ حدیث کو چھوڑ کر صحیح اور ثابت شدہ حدیث ہی سے استدلال کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ تمام امور اسی وقت مکمل طور پر واضح ہوں گے جب علم حدیث سے مدد لی جائے۔

اسی طرح حافظ عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ اس علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: **علم الحديث خطير وقعه، كثير نفعه، عليه مدار أكثر الأحكام وبه يعرف الحلال والحرام، ولأهله اصطلاح، لابد للطالب من فهمه، فلهذا ندب الى تقديم العناية** (التبصرة والتذكرة ص ۱/۹۷)

یعنی علم حدیث کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ اور اس کو حاصل کرنا نفع بخش ہے اور اسی پر اکثر احکام کا دارومدار ہے۔ اسی کے ذریعے حلال وحرام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور محدثین کے کچھ مصطلحات ہیں جنہیں سمجھنا ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے اس علم کو مقدم رکھنا مستحسن اور بہتر عمل ہے۔

ان تمام اقوال سے یہ بات مترشح ہو کر سامنے آتی ہے کہ علم حدیث سے کسی بھی زمانے میں مفر نہیں کیونکہ اسلامی احکام کا دارومدار کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت وضعف کو جاننے اور پرکھنے کے لیے میزان علوم حدیث ہی ہے۔ اس لیے کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرح اس علم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت گزر چکی کہ حدیث رسول اسلام کے اساسی اور بنیادی مصادر میں سے دوسرا مصدر ہے لہٰذا اس کی حفاظت وصیانت بھی ناگزیر تھی یہی وجہ ہے کہ کسی بھی حدیث کو بغیر تحقیق کے قبول کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ** (الحجرات:۶)

اے مسلمانو اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذاء پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

اس قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ کسی بھی خبر یا حدیث کے مل جانے کے بعد فورا ہی اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر راوی یا مخبر موثوق نہ ہو تو اس بات کی پوری تحقیق و تفتیش کر لینی چاہیے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات عالیہ میں بھی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ تحقیق وتفتیش کے بغیر کسی بھی بات کو بیان نہ کیا جائے۔ **عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع** (مقدمة صحيح مسلم: ص ۵، سنن أبي داؤد ۴۹۹۲، ابن حبان ۳۰ وصححه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی بات کو آگے بیان کر دے۔

مذکورہ حدیث رسول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی بھی بات کو آگے پیش کرنے سے قبل اس کی تحقیق ضروری ہے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کے بعد ابتدائی زمانے سے چلی آرہی ہے، اس وجہ سے اس کے سلسلے میں تامل واحتیاط بھی ابتدائی دور ہی میں شروع ہو گئی تھی۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے زمانے سے حدیث کی تحقیق وتفتیش کا کام شروع ہو گیا تھا اس سلسلے میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہل کی ان میں سب سے پہلا نام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آتا ہے، جنہوں نے دادی کی میراث والی حدیث کو تثبت کے بعد ہی قبول کیا تھا جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے'' **وكان أول من احتاط في قبول الأخبار**'' (تذکرۃ الحفاظ:۱/۹)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے احادیث کے قبول کرنے کے سلسلے میں احتیاط کا پہلو اپنایا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی احادیث کو قبول کرنے میں کافی محتاط رہتے تھے۔ اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تو اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود سے نہ سنی ہو کسی اور سے سنتے تو حلف لیا کرتے تھے۔ (التقیید والایضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح:ص ۴۴۰)

مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے تھے پھر زمانے کے ساتھ ساتھ اس معاملے میں احتیاط اور تشدد بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب تابعین عظام رحمہم اللہ کا زمانہ آیا اور

اعدائے اسلام دین کی شبیہ بگاڑنے کی ناپاک کوشش کرنے لگے تو محدثین صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تحقیق حدیث کے سلسلے میں احتیاط وتشدد اور بڑھتی گئی جس کی درجنوں مثالیں کتب احادیث وسیر میں منقول ہیں۔

چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ بشیر بن کعب عدوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے جس پر بشیر بن کعب عدوی نے کہا: اے ابن عباس کیا معاملہ ہے؟ کہ میں اللہ کے رسول کی حدیث سنا رہا ہوں اور آپ میری طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ایک زمانہ تھا کہ جب ہم کسی کو یہ فرماتے ہوئے سنتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو ہماری آنکھیں اس کی طرف دوڑ بھاگتی تھیں اور ہمارے کان متوجہ ہو جاتے تھے لیکن جب اچھے برے سب لوگ حدیث بیان کرنے لگے تب سے ہم، لوگوں سے صرف وہی چیزیں قبول کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک معروف ہوں۔ (مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۱۲-۱۳)

اسی طرح محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے: **"ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم"** (مقدمة صحيح مسلم: ۱/ ۱۵)

یعنی بے شک یہ علم دین کا حصہ ہے لہٰذا دیکھو کہ تم کس سے اپنا دین لے رہے ہو۔ آپ رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ پہلے لوگوں سے اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا تھا لیکن جب فتنہ واقع ہوا تو وہ (محدثین کرام) کہنے لگے کہ تم لوگ ہمارے سامنے اپنے رجال کے نام ذکر کرو۔ اگر اہل سنت میں سے دیکھے جاتے تو ان کی احادیث مقبول ہوتیں اور اگر اہل بدعت میں سے دیکھے جاتے تو ان کی احادیث نہیں لی جاتیں۔ (مقدمۃ صحیح مسلم: ۱/۱۶)

عہد صحابہ وتابعین کے بعد کذب وافتراء کثرت سے پھیلنے لگا۔ جس کی وجہ سے سند کی تاکید اور زیادہ ہوگئی اور اس کی ضرورت اتنی بڑھ گئی کہ جو محدث چاہتا کہ اس کی روایات قبول کی جائیں وہ احادیث سند کے ساتھ ہی بیان کرتا تھا۔ بلکہ محدثین سماع حدیث کے وقت سند کے بارے میں ضرور سوال کرتے تھے۔ جیسا کہ امام زہری، محمد بن سیرین، شعبہ، سفیان ثوری، عامر شعبی رحمہم اللہ سماع حدیث کے وقت تاکیداً سند کا مطالبہ کرتے تھے۔

اس طرح سند حدیث کے متعلق بحث وتفتیش اتنی عام ہوگئی کہ اہل علم تو اہل علم عام لوگ بھی سند کے بارے میں پوچھنے لگے۔ اسی طرح دھیرے دھیرے علوم حدیث کا ایک وسیع اور جامع فن وجود پذیر ہوا۔ جس میں محدثین کرام نے خوب مہارت حاصل کی اور احادیث کی بحث وتفتیش میں اپنی عمریں صرف کردیں۔ اور صحت وضعف کو بیان کرنے کا بھرپور اہتمام کیا۔

تیسری صدی ہجری کا دور تصنیف وتالیف اور تدوین کا بہترین اور سنہرا دور شمار کیا جاتا ہے اس صدی میں جہاں احادیث کو مدون شکل میں جمع کرنے کا خوب اہتمام کیا گیا وہیں اصول حدیث سے متعلق متقدمین علما کے ان تبصروں اور ابحاث واقوال کو جمع کیا گیا جو مختلف جگہوں پر بکھرے پڑے تھے۔

لیکن اب تک اس علم کو کسی مستقل کتاب میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔

چنانچہ امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" اور "الام" کے اندر صحت حدیث کے شرائط، خبر واحد کا حجت ہونا، راوی کا حافظ وضابط ہونا، غیر موثوق راوی سے احتراز، روایت بالمعنی، مدلس کی حدیث کو اس وقت قبول کرنا جب وہ سماع کی صراحت کردے، موضوع، ضعیف، منکر، مدلس، ثقہ، خبر واحد، علم ظنی، علم یقینی جیسے اہم اصطلاحات کا تعارف کرایا۔ اسی طرح کبار تابعین کے مراسیل نیز حدیث مرسل حجت ہے یا نہیں۔ ان مباحث کو تابعین و تبع تابعین سے نقل کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں جمع کردیا۔ (الرسالہ: ص ۶۳۰-۹۹۸-۱۲۶۱ ملخصا)

اسی طرح امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) رحمہ اللہ نے بھی اس علم کے بعض مباحث میں حصہ لیا۔ جیسا کہ آپ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کے مابین ہونے والے سوال و جواب کی نشست سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز امام علی بن عبداللہ المدینی (المتوفی ۲۳۴ھ) اور یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) رحمہما اللہ کی تالیفات میں بھی بعض مصطلحات حدیث کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) رحمہ اللہ کی تواریخ ثلاثہ کے اندر بھی علوم حدیث کے بہت سارے علمی نکات پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد امام مسلم بن حجاج (المتوفی ۲۶۱ھ) رحمہ اللہ نے اپنے صحیح کے مقدمے میں علوم حدیث پر جامع اور مفصل گفتگو کی ہے (مقدمہ صحیح مسلم: ص ۴-۵)۔

پھر جب امام ابوداؤد (المتوفی ۲۷۵ھ) رحمہ اللہ اپنے سنن کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ کو اس کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک خط لکھا جس کے اندر آپ رحمہ اللہ نے علوم حدیث کے چند اہم مباحث اور مصطلحات کا بھی ذکر فرمایا۔ (نشاۃ تطور علم مصطلح الحدیث: ص ۸)

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں امام ابوعیسی ترمذی (۲۷۹ھ) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامع الترمذی" کے آخر میں ایک جزء بنام "العلل الصغیر" بھی تصنیف فرمائی جس میں جرح وتعدیل کے ساتھ علوم حدیث کے دیگر مباحث پر بہترین گفتگو کی۔ پھر "العلل الکبیر" کے اندر علل حدیث پر خوب سیر طلب بحث کی۔ (نشأۃ تطور علم مصطلح الحدیث: ص ۹)

امام ابوجعفر طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ) رحمہ اللہ نے محدثین کی اتباع کرتے ہوئے ایک رسالہ لکھا جس کے اندر حدیث وخبر کے مابین فروق کا ذکر فرمایا ساتھ ہی حدیث معنعن پر بھی بحث کی۔ (نشأۃ تطور علم مصطلح الحدیث: ص۹)

اس کے بعد امام ابن حبان بستی (المتوفی ۳۵۴ھ) رحمہ اللہ نے تین کتابیں لکھیں، جن میں علوم حدیث کے اہم مباحث کو بھی شامل کیا اور وہ تینوں مندرجہ ذیل ہیں۔

كتاب الثقات، كتاب المجروحين، الصحيح على التقاسيم و الأنواع. (کتاب الثقات لابن حبان ۱/۸، المجروحین لہ أیضا: ۱/۶۲-۸۹، صحیح ابن حبان: ۱/۱۵۱-۱۵۲)

تیسری صدی ہجری تک علوم حدیث کے مباحث پر مشتمل جتنی کتابیں لکھی گئیں دراصل وہ کتابیں ایسی تھیں کہ ان میں علوم حدیث کے بعض بعض مباحث اور مصطلحات کو ضم کر دیا گیا تھا لیکن اب تک علم مصطلح حدیث پر کوئی مستقل اور خاص کتاب نہیں لکھی گئی تھی چوتھی صدی ہجری کے اندر سب سے پہلے قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی (المتوفی ۳۶۰ھ) رحمہ اللہ نے بقیہ علوم وفنون کی طرح علم مصطلح حدیث کو بھی ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنی کتاب ''المحدث الفاضل بين الراوي والواعي'' کے اندر جمع کیا، پس آپ نے اس کے اندر جملہ مصطلحات علوم حدیث جیسے سند عالی و نازل، روایت بالمعنی اور معارضہ و مذاکرہ جیسے مصطلحات کا ذکر فرمایا۔ لیکن آپ کی مذکورہ کتاب مرتب ومہذب انداز میں نہ تھی۔ (نزهة النظر، ص:۸)

چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیسابوری (المتوفی ۴۰۵ھ) رحمہ اللہ کا زمانہ آیا تو آپ نے اس فن کے اندر تھوڑی وسعت پیدا کی۔ اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' تصنیف فرمائی۔ جس کے اندر تقریبا علوم حدیث کی اکثر قسموں کا ذکر کیا۔ لیکن آپ بھی تمام انواع کا استیعاب نہ کر سکے۔

یہاں تک کہ حافظ ابونعیم احمد بن علی اصبہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) رحمہ اللہ آئے اور "المستخرج علی معرفۃ علوم الحدیث" نامی کتاب تالیف فرمائی۔ اور اس کے اندر ان تمام مباحث کا ذکر کیا جو امام حاکم رحمہ اللہ سے چھوٹ گئے تھے لیکن آپ رحمہ اللہ بھی استیعاب کرنے سے قاصر رہ گئے۔ (نزهة النظر، ص:۸-۹)

حافظ ابویعلی خلیل ابن عبداللہ بن احمد القزوینی (المتوفی ۴۶۳ھ) رحمہ اللہ نے بھی اپنے ایک رسالے کے اندر علوم حدیث کے چند مباحث کو قید کیا تھا۔ اس کے بعد جب حافظ احمد بن علی بن ثابت ابوبکر خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) رحمہ اللہ کا دور آیا تو آپ نے علم روایت حدیث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "الكفاية في علم الرواية" اس کے بعد روایت کے آداب پر ایک جامع اور مفصل کتاب لکھی جس کا نام ہے ''الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع''۔

پھر آپ رحمہ اللہ نے علوم حدیث پر بے شمار کتابیں لکھیں یہاں تک کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید ہی علوم حدیث کا کوئی ایسا جزء ہو جس پر آپ کی کوئی مستقل تصنیف موجود نہ ہو بلکہ حافظ ابوبکر ابن نقطہ (المتوفی ۶۲۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**كل من أنصف علم أن المحدثين بعد الخطيب عيال على كتبه**''. (نزهة النظر، ص:۹) کہ ہر انصاف پسند شخص جانتا ہے کہ خطیب بغدادی کے بعد کے تمام محدثین ان کی تصانیف کے محتاج ہیں۔ اس کے بعد حافظ ابوفضل محمد بن طاہر مقدسی (المتوفی ۵۰۷ھ) رحمہ اللہ نے بھی علو ونزول کے مسئلے پر ایک کتاب تالیف فرمائی۔ (كشف الظنون لمصطفى بن عبد الله كاتب حلبي القسطنطيني: ۲/۱۶۶۲)

چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم ومحدث قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی (المتوفی ۵۴۴ھ) رحمہ اللہ نے بھی حدیث کے تحمل وادا کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ایک کتاب تالیف فرمائی، جس کا نام ''الالماع'' رکھا، پھر حافظ ابوحفص عمر بن عبدالمجید میانجی (المتوفی ۵۸۰ھ) رحمہ اللہ نے ''**ما لا يسمع المحدث جهله**'' نامی کتاب تصنیف فرما کر علوم حدیث کے ذخیرے میں اضافہ کیا۔ (من أطيب المنح في مصطلح الحديث، ص:۴)

اس کے بعد جب حافظ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری المعروف بابن الصلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے علوم حدیث کو مہذب کیا۔ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی تصانیف میں علوم حدیث کے بکھرے ہوئے جواہرات کو جمع کیا اور ''علوم الحدیث'' نام کی ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ جس میں تمام متفرق انواع واقسام کو جمع کر دیا۔ پس تمام لوگ علوم حدیث کے میدان میں اسی کتاب کو اپنا مرجع ومصدر سمجھنے لگے۔

نیز بے شمار لوگوں نے مختلف پہلوؤں سے اس کتاب پر کام کیا۔ چنانچہ کسی نے اس کا اختصار کیا تو کسی نے اسکا استیعاب کیا جبکہ کسی نے اس کو منظوم شکل میں بھی لکھا۔ (من أطيب المنح في علم المصطلح، ص:۵)

چنانچہ حافظ عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ نے مقدمہ ابن صلاح کی ایک عمدہ شرح لکھی۔ جس کا نام آپ رحمہ اللہ نے ''التقييد والايضاح'' رکھا۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ''**الافصاح عن نكت ابن الصلاح**'' نام کی ایک بہترین شرح لکھی۔

امام نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) رحمہ اللہ نے مقدمہ ابن الصلاح کا اختصار کیا۔ جس کا نام آپ نے ''الارشاد في علوم الحديث'' رکھا۔ پھر اس کا مزید اختصار کرتے ہوئے ''التقریب'' لکھا۔ جس کی شرح امام جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ نے ''تدریب الراوی شرح تقریب النواوی'' نام سے لکھی۔

(بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

معجزہ معراج بزبان صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

حضرت انس بن مالکؓ، مالک بن صعصعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے شب اسراء (معراج) کا واقعہ اس طرح بیان کیا۔ فرمایا کہ میں حطیم میں تھا کہ ایک آنے والے والا میرے پاس آیا۔ پس اس نے (میرا سینہ) یہاں سے یہاں تک چاک کر ڈالا۔ (یعنی حلقوم سے زیر ناف تک) تو اس نے میرا قلب نکالا۔ پھر ایمان سے لبریز ایک سونے کا طشت میرے پاس لایا گیا۔ پس میرا دل دھویا گیا۔ پھر (وہیں) رکھ دیا گیا۔ پھر میرے پاس خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ایک جانور لایا گیا۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا۔ وہ براق تھا؟ تو انس نے کہا۔ ہاں! وہ اپنے منتہائے قدم پر نظر رکھتا تھا۔ (فرمایا حضور نے) مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ اور وہ مجھے لے اڑا۔ حتیٰ کہ آسمان دنیا پر آیا۔ جبرئیلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا کہا گیا (یعنی آسمان کے دربانوں نے پوچھا) کون ہے یہ؟ کہا جبرئیلؑ نے میں نے جبریلؑ ہوں۔ کہا گیا۔ اور کون ہے ساتھ تیرے؟ کہا جبریل نے ساتھ میرے محمدؐ ہیں۔ کہا گیا کوئی بھیجا گیا ہے طرف ان کے؟ (یعنی محمدؐ بلائے ہوئے آئے ہیں۔ یا آپ سے؟) کہا جبرائیل نے ہاں بلائے ہوئے آئے ہیں! کہا فرشتوں نے۔ مرحبا محمد گو۔ آپ کی تشریف آوری کتنی مبارک ہے، پس کھولا گیا دروازہ جب میں اندر پہنچا۔ تو وہاں حضرت آدم کو دیکھا۔ جبرئیل نے کہا۔ یہ آپ کے والد آدم ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا اے نبی صالح اور پسر صالح خوش آمدید۔

پھر جبرئیلؑ اوپر کو چلے۔ حتیٰ کہ دوسرے آسمان پر پہنچے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ کہا گیا۔ کون ہے یہ؟ کہا جبریل نے میں جبریل ہوں۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا جبریل نے محمدؐ ہیں کہا گیا۔ انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا جبرئیل نے ہاں! فرشتوں نے کہا۔ خوش آمدید۔ آپ کی تشریف آوری کتنی مبارک ہے۔ پس دروازہ کھولا گیا جب میں اندر پہنچا۔ وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرئیل نے کہا۔ یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ تو انہوں نے جواب دے کر کہا۔ برادر صالح اور نبی صالح خوش آمدید۔

پھر جبریلؑ مجھے تیسرے آسمان پر لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ کہا۔ میں جبریل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے۔ کہا جبرئیل نے محمد ہیں۔ پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا۔ ہاں! کہا فرشتوں نے مرحبا۔ آپ کی تشریف آوری کتنے مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں اندر پہنچا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا۔ یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کہا۔ انہوں نے جواب دے کر کہا۔ اے برادر صالح اور نبی صالح۔ خوش آمدید۔

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر اوپر چڑھے۔ یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا۔ میں جبرئیلؑ ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا۔ محمد ہیں! پوچھا گیا۔ انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! فرشتوں نے کہا۔ مرحبا۔ کتنی اچھی تشریف آوری ہے۔ آپ کی پھر دروازہ کھولا گیا، جب میں اندر پہنچا۔ تو وہاں ادریس علیہ السلام تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ ادریس ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر کہا اے برادر صالح، نبی صالح۔ خوش آمدید۔

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر اوپر چڑھے۔ حتیٰ کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوانا چاہے۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ کہا۔ جبرئیل! پوچھا گیا۔ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا۔ محمد ہیں۔ پوچھا گیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا جبرئیلؑ نے ہاں کہا گیا مرحبا! آپ کی تشریف آوری کتنی اچھی ہے۔ جب میں اندر پہنچا۔ تو ہارون علیہ السلام ملے۔ جبرئیل نے کہا۔ یہ ہارون ہیں۔ انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر کہا۔ خوش آمدید برادر صالح۔ نبی صالح۔

پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر اوپر چڑھے۔ حتیٰ کہ چھٹے آسمان پر پہنچے، دروازہ کھلوانا چاہے۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ کہا میں جبرئیلؑ ہوں۔ کہا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا۔ محمد ہیں۔ کہا گیا۔ مرحبا۔ آپ کا آنا مبارک ہے۔ جب میں اندر پہنچا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے، جبرئیلؑ نے کہا۔ یہ موسیٰ ہیں۔ انہیں سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر کہا۔ مرحبا برادر صالح اور نبی صالح۔

پھر جبرئیل مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے۔ دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا۔

کون ہے؟ کہا۔ جبرئیلؑ !پوچھا گیا۔تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا محمدؐ ہیں۔ پوچھا۔ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا۔ ہاں ۔کہا گیا۔خوش آمدید۔آپ کی تشریف آوری کتنی مبارک ہے جب میں اندر پہنچا۔تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ملے۔ جبرئیلؑ نے کہا۔یہ آپ کے باپ ہیں۔انہیں سلام کیجئے۔میں نے سلام کیا۔انہوں نے جواب دے کر کہا پسر صالح اور نبی صالح مرحبا۔

پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ ظاہر کیا گیا۔تو اس کے پھل (مقام) ہجر کے مٹکوں کی طرح اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح (بڑے) تھے۔میں نے وہاں چار نہریں دیکھیں۔ پھر میرے سامنے بیت المعمور پیش کیا گیا۔ پھر شراب، دودھ۔اور شہد کا ایک ایک پیالہ مجھے پیش کیا گیا۔میں نے دودھ لے لیا۔جبرئیل نے کہا۔یہی فطرت ہے۔جس پر آپ ہیں اور اسی پر آپ کی امت رہے گی۔

پھر مجھ پر پچاس نمازیں یومیہ فرض کی گئیں۔ میں واپس ہوا۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔انہوں نے پوچھا۔آپ کو کیا ملا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یومیہ پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔آپ کی امت یومیہ پچاس نمازیں ادا نہیں کرسکتی۔ بخدا میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کرلیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ سخت برتاؤ کیا ہے۔لہٰذا آپ اپنے پروردگار کے پاس جائیے،اور اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا۔تو اللہ تعالیٰ نے (پہلے پانچ پھر دوسری مرتبہ پانچ یعنی کل) دس نمازیں معاف کردیں۔ پھر میں موسیٰ کے پاس آیا۔تو انہوں نے ویسا ہی کہا۔ پھر میں واپس گیا۔اور اللہ تعالیٰ نے (دومرتبہ میں) دس نمازیں معاف کردیں پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا۔تو انہوں نے ویسا ہی کہا۔پھر میں گیا درگاہ رب میں۔ پس اللہ نے (دومرتبہ میں) دس نمازیں معاف کردیں۔ پھر موسی کے پاس آیا انہوں نے ویسا ہی کہا۔ پھر میں گیا اللہ کے پاس۔تو اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ساتھ دس نمازوں کے ہر روز۔پس آیا میں موسیٰ کے پاس۔تو انہوں نے ویسا ہی کہا۔ پھر گیا میں اللہ کے پاس تو حکم ہوا مجھ کو یومیہ پانچ نمازوں کا۔حضرت موسیٰ نے پھر کہا کہ اللہ سے مزید تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ سے اتنی زیادہ درخواست کی ہے کہ اب مجھے (مزید) درخواست کرتے) شرم آتی ہے۔لہٰذا اب میں راضی ہوں۔اور تسلیم کرتا ہوں۔جب میں آگے بڑھا۔تو ایک منادی نے آواز دی۔امضیت فریضتی وخففت عن عبادی میں (اللہ تعالیٰ) نے اپنا فریضہ جاری کردیا۔اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی۔(بخاری شریف)

(ماخوذ جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

(بقیہ صفحہ ۱۵ کا)

اس کے بعد اس کا اختصار بدر الدین ابن جماعہ (المتوفی ۷۳۳ھ) رحمہ اللہ نے ''المنھل الروی'' کے نام سے لکھا۔اور اس کی شرح ان کے پوتے محمد بن ابوبکر ابن جماعہ (المتوفی) نے ''المنہج السوی'' کے نام سے لکھا۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) رحمہ اللہ نے بھی مقدمہ ابن صلاح کا اختصار کیا۔اور اس کا نام ''اختصار علوم الحدیث'' رکھا۔جس کی شرح ''الباعث الحثیث'' کے نام سے علامہ احمد محمد شاکر (المتوفی ۱۳۷۷ھ) رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔

اور حافظ بلقینی (المتوفی ۸۰۵ھ) رحمہ اللہ نے مقدمہ ابن صلاح پر استدراک کرتے ہوئے ایک کتاب لکھی جو ''محاسن الاصطلاح وتضمین کتاب ابن الصلاح'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔اسی طرح حافظ زرکشی (المتوفی ۷۹۴ھ) رحمہ اللہ نے مقدمہ ابن صلاح پر تعاقب کرتے ہوئے ایک کتاب لکھی جو ''النکت علی ابن الصلاح'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

نیز حافظ زین الدین عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ نے ''نظم الدرر فی علم الأثر'' کے نام سے مقدمہ ابن صلاح کی نظم بندی کی ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس کتاب پر بہت سارا کام ہوا ہے۔لیکن

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

اس کے بعد حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہ اللہ نے علوم حدیث پر ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام ''نخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر'' رکھا۔جس کی شرح کئی ایک اہل علم نے لکھی ہے جیسے حافظ نے خود ہی ''نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر'' کے نام سے اس کی شرح تالیف فرمائی۔جو کافی مقبول ہے۔نیز ان کے فرزند محمد بن احمد ابن حجر،عبدالرحمٰن مناوی اور محمد صادق بن عبدالہادی سندھی رحمہم اللہ نے بھی اس کی مستقل شرحیں تصنیف فرمائیں۔

حافظ عمر بن محمد بیقونی (المتوفی ۱۰۸۰ھ) رحمہ اللہ نے بھی اپنی مختصر کتاب ''المنظومة البیقونیة'' کے اندر علوم حدیث اور مصطلحات حدیث کو منظوم شکل میں لکھا ہے۔(من أطیب المنح فی علم المصطلح:۵)

اس کے بعد جلال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے بھی علوم حدیث پر ایک کتاب لکھی ہے جن کا نام ''قواعد التحدیث'' رکھا۔

چنانچہ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس طرح دیگر علوم وفنون کی تدوین وتصنیف میں متقدمین ومتاخرین اہل علم نے بھرپور محنت وکوشش کی ہے۔اسی طرح علوم حدیث پر بھی نمایاں خدمات جام دے کر احادیث رسول کی حفاظت وصیانت میں قابل فخر رول اور اہم کردار ادا کیا ہے۔

☆☆☆

اعمالِ صالحہ پر مداومت کے فوائد وثمرات

ابوحمدان اشرف فیضی

۱۔محبت الٰہی کا حصول: اعمال صالحہ پر مداومت محبت الٰہی کے حصول کا عظیم ذریعہ ہے،حدیث میں ہے:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج ، زکوۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کرکے مجھ سے اتنا نزدیک ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔ (صحیح بخاری)

۲۔اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا: اعمال صالحہ پر مداومت یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کام کرتے تو اس کو برقرار رکھتے اور جب آپ رات میں سوئے رہ جاتے یا بیمار ہوجاتے تو آپ دن کو بارہ رکعتیں پڑھ لیتے۔ (صحیح مسلم)

۳۔عمل میں آسانی: نیک اعمال شروع میں نفس پر گراں گزرتے ہیں لیکن پابندی اور مجاہدہ کے ساتھ ان کا کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت:۶۹) اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا ساتھی ہے۔

۴۔فرض عبادات کی کمی کی تکمیل: نفل عبادات پر ہمیشگی فرض عبادات کی کمی کو پورا کردیتی ہے، حدیث میں ہے: قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے اس کی نماز کا محاسبہ ہوگا، اگر وہ ٹھیک رہی تو کامیاب ہوگیا اور اگر وہ خراب نکلی تو وہ ناکام اور نامراد رہا اور اگر اس کی فرض نمازوں میں کوئی کمی ہوگی تو رب تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائے گا: دیکھو، میرے اس بندے کے پاس کوئی نفل نماز ہے؟ چنانچہ فرض نماز کی کمی کی تلافی اس نفل سے کردی جائے گی، پھر اسی انداز سے سارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ (سنن ترمذی)

۵۔بغیر عمل کے اجروثواب: جو نیکیاں پابندی سے کی جاتی ہیں ان کا اجروثواب جاری رہتا ہے چاہے کسی مجبوری سے وہ عمل نہ بھی ہوسکے، حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لیے ان تمام عبادات کا ثواب لکھا جاتا ہے جنھیں اقامت یا صحت کے وقت یہ کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

دوسری حدیث میں ہے: جو بھی آدمی رات کو تہجد پڑھا کرتا ہو، پھر کسی دن نیند کی وجہ سے وہ نہ پڑھ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی نماز کا اجر لکھ دیتا ہے اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہوتی ہے۔ (صحیح الجامع:۶۹۹۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ (اجر) اس شخص کے حق میں ہے جو کوئی نیکی کا عمل کیا کرتا تھا، پھر کسی عذر کی وجہ سے اس سے روک دیا گیا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ مانع (رکاوٹ) نہ ہوتا تو وہ اس عمل پر قائم رہتا۔ (فتح الباری ۱۳۷-۱۳۶)

یعنی اگر کوئی شخص مسلسل نیکی کرتا تھا اور اچانک بیماری، سفر یا کسی مجبوری کی وجہ سے اسے روک دیا گیا، لیکن اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ کرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ اسے ویسا ہی اجر عطا فرماتا ہے جیسے وہ کرتا رہا ہو۔

۶۔مصائب ومشکلات سے نجات: جب بندہ صحت وعافیت اور خوش حالی وفارغ البالی کے ایام میں عمل صالح کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مصائب ومشکلات سے نجات دیتا ہے اور اس کی دعائیں قبول کرتا ہے، حدیث میں ہے: جسے اچھا لگے (اور پسند آئے) کہ مصائب ومشکلات (اور تکلیف دہ حالات) میں اللہ اس کی دعائیں قبول کرے، تو اسے کشادگی وفراخی کی حالت میں کثرت سے دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔ (سنن ترمذی)

۷۔گناہوں کی مغفرت: نیکیوں کی پابندی گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے،

حدیث میں ہے: تم کیا سمجھتے ہو اگر تم میں سے کسی کے گھر کے سامنے نہر ہو جس سے وہ ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس (کے جسم) کا کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اس کا کوئی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

۸۔ حسن خاتمہ: جب بندہ نیکی و بھلائی کے کاموں کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے حسن خاتمہ نصیب فرماتا ہے، نیکی کرتے ہوئے اسی پر اس کی موت ہو جاتی ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ہر شخص کو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس پر اس کو موت آتی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے عمل کراتا ہے، عرض کیا گیا اللہ کے رسول! کیسے عمل کراتا ہے؟ آپ نے فرمایا: موت سے پہلے اسے عمل صالح کی توفیق دیتا ہے۔ (سنن ترمذی، شیخ البانیؒ نے صحیح قرار دیا ہے)

۹۔ دل میں نور اور سکون: مسلسل نیک اعمال کرنے سے دل کو اطمینان اور روح کو سکون ملتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب (الرعد: ۲۸) بے شک اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

۱۰۔ اعمال کے قبولیت کی علامت: رمضان کے بعد اللہ کی اطاعت پر ثابت قدمی عبادت کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے، نیز رمضان کی عبادت کے درست ہونے کی علامت ہے کہ وہ عبادات اللہ کے ہاں قبول ہو چکی ہیں اور اللہ اس سے راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرہ: ۱۸۵) تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس طرح کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں: جس نے کوئی نیکی (طاعت) کی اور اس سے فارغ ہوا، تو اس کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے بعد ایک اور نیکی کرے اور اس کے رد ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس نیکی کے بعد گناہ کرے۔ کتنی خوبصورت ہے وہ نیکی جو گناہ کے بعد کی جائے کہ وہ گناہ کو مٹا دیتی ہے اور کتنا برا ہے وہ گناہ جو نیکی کے بعد کیا جائے کہ وہ نیکی کو مٹا دیتا ہے اور اس کے اثر کو ختم کر دیتا ہے۔ (لطائف المعارف: ۲۲۴، ط: ابن حزمؒ)

اسی طرح بعض سلف سے منقول ہے: نیکی کا بدلہ ایک اور نیکی ہے۔ پس جس نے ایک نیکی کی، پھر اس کے بعد ایک اور نیکی کی، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلی نیکی قبول ہو گئی ہے۔ اور جس نے ایک نیکی کی، پھر اس کے بعد بعد برائی کی، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلی نیکی رد کر دی گئی ہے اور قبول نہیں ہوئی۔ (لطائف المعارف لابن رجبؒ: ۲۲۱)

۱۱۔ جنت کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (فصلت: ۳۰۔۳۲) (واقعی) جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو، تمہاری دنیاوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ غفور ورحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔

حدیث میں ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کے راستے میں دو چیزیں خرچ کرے گا اسے فرشتے جنت کے دروازوں سے بلائیں گے کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے پھر جو شخص نمازی ہوگا اسے نماز کے دروازہ سے بلایا جائے گا، جو مجاہد ہوگا اسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا، جو روزہ دار ہوگا اسے باب الریان سے بلایا جائے گا اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والا ہوگا اسے زکوۃ کے دوازہ سے بلایا جائے گا۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ ان دروازوں (میں سے کسی ایک دروازہ) سے بلائے جائیں گے مجھے ان سے بحث نہیں، آپ یہ فرمائیں کہ کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جسے ان سب دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی انہیں میں سے ہوں گے۔ (صحیح بخاری: ۱۸۹۷)

ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: اس میں یہ بات ہے کہ جو کسی چیز کو زیادہ انجام دیتا ہے، وہ اسی سے جانا پہچانا جاتا ہے اور اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کیا تم نے یہ قول نہیں سنا؟ پس جو شخص نماز والوں میں سے ہو، یعنی جو نماز کو کثرت سے ادا کرتا ہو، اسے نماز سے منسوب کیا جاتا ہے کیوں کہ سب ہی (مسلمان) نماز پڑھنے والوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص جہاد یا روزے کو زیادہ انجام دیتا ہے، وہ بھی اسی معنی کے تحت ان اعمال کی طرف منسوب ہوتا ہے اور قیامت کے دن اسی دروازے سے بلایا جائے گا۔ (التمہید: ۷/ ۱۸۵)

۱۲۔آخرت میں درجات کی بلندی: مستقل نیک اعمال کرنے والے کو آخرت میں بلند درجات ملیں گے اور گناہ معاف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔(الاحقاف:۱۹)

اور حدیث میں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز سے آگاہ نہ کروں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتا ہے اور درجات بلند فرماتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناگواریوں (کے) باوجود اچھی طرح وضو کرنا، مساجد تک زیادہ قدم چلنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، سو یہی رباط ہے۔(صحیح مسلم:۶۵۱)

مداومت کے اسباب وذرائع:

وہ اسباب وذرائع جو اعمال صالحہ پر مداومت اختیار کرنے میں مدد دیتے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔مداومت کے ثمرات وفوائد کا علم: یعنی جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ نیک عمل پابندی سے کتنے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں جیسے اللہ کی محبت وقربت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء، گناہوں کی مغفرت، مسلسل اجر وثواب، عمل میں آسانی، مصائب ومشکلات سے نجات، فرائض کی کمی کی تکمیل، جنت کی بشارت وغیرہ، تو وہ اس عمل کو جاری رکھنے کے لیے زیادہ پرعزم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لیے پابندی کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْراً (الکہف:۶۸) اور تو کیسے صبر کرے گا اس چیز پر جس کا تجھے مکمل علم حاصل نہیں؟

امام عبدالرحمٰن ناصر سعدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی تو کسی ایسے معاملے پر کیسے صبر کر سکتا ہے جس کی ظاہری وباطنی حقیقت کو تو نے نہیں جانا اور نہ ہی اس کے مقصد اور انجام کو پہچانا؟ (تفسیر السعدی: الکہف:۶۸)

۲۔عمل میں اخلاص: جو عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے اس میں برکت اور دوام ہوتا ہے، اس لیے کہ مخلص انسان کو مطلق اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی اس کے عمل کو دیکھ رہا ہے یا نہیں؟ کوئی اس کی تعریف کر رہا ہے یا نہیں؟ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے، اس لیے ہمیشہ ہر حال میں، ہر جگہ، ہر موسم اور ہر مہینے میں وہ عمل کرتا رہتا ہے، اس کے برخلاف ریاکار انسان کا عمل دیرپا نہیں ہوتا، اس کا ہر عمل وقتی اور عارضی ہوتا ہے، اگر کوئی اسے دیکھ رہا ہے تو عمل کرتا ہے اور اگر کوئی نہیں دیکھ رہا ہے تو چھوڑ دیتا ہے، اگر لوگوں کے درمیان ہوتا ہے تو عمل کرتا ہے اور اگر خلوت وتنہائی میں ہوتا ہے تو عمل نہیں کرتا، لہٰذا اپنے ہر عمل میں اخلاص پیدا کریں، کیوں کہ نیکیوں پر مداومت کرنے میں اخلاص کا عظیم کردار ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اخلاص کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینۃ:۵) انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔

ابراہیم حنیف کے دین پر اور اخلاص کے ساتھ کیا جانا والا عمل اللہ تعالیٰ کے پاس قبول ہوتا ہے اور جب عمل قبول ہوتا ہے تو اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور مزید نیکیوں کی توفیق حاصل ہوتی ہے، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: آپ ایک ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو جہاد کرتا ہے اور جہاد کی اجرت ومزدوری چاہتا ہے اور شہرت ونا موری کا خواہش مند ہے، اسے کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اس نے اپنی بات تین مرتبہ دہرائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہی فرماتے رہے کہ اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو، اور اس سے اللہ کی رضا مقصود ومطلوب ہو۔ (سنن نسائی علامہ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

۳۔پختہ ارادہ اور اس پر ثبات قدمی: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنھوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقعہ کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (الاحزاب:۲۳)

ابن القیم رحمہ اللہ سچی عزیمت (پختہ ارادہ) اور اس پر ثبات (استقامت) کی اہمیت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ بندے کی کامل شخصیت عزیمت (پختہ ارادہ) اور ثبات (استقامت) سے ہی بنتی ہے۔ اگر کسی کے پاس عزیمت نہ ہو تو وہ ناقص (نامکمل) ہے اور اگر کسی کے پاس عزیمت تو ہو مگر اس پر استقامت نہ ہو تو وہ بھی ناقص ہے۔ پس جب عزیمت کے ساتھ ثبات بھی شامل ہو جائے تو وہ ہر بلند مقام اور مکمل حال کو جنم دیتا ہے۔ (طریق الہجرتین)

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اللهم اني أسألك الثبات في الأمر، والعزيمة على الرشد (أخرجه الطبراني: ۷/ ۲۷۹) اے اللہ! میں تجھ سے (دین کے) معاملے میں ثبات اور درست راہ پر پختہ ارادے کا سوال کرتا ہوں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وهاتان الكلمتان هما جماع

الفلاح، وما أتى العبد الا من تضييعهما، أو تضييع أحدهما، فما أتى أحذ الا من باب العجلة والطيش، واستفزاز البداء ات له، أو من باب التهاون والتماوت، وتضييع الفرصة بعد مواتاتها، فاذا حصل الثبات أولا، والعزيمة ثانيا، أفلح كل الفلاح (مفتاح دارالسعادة: ۱/ ۱۴۲)

یہ دونوں کلمات (ثبات اورعزم) ہی کا خلاصہ ہیں۔ بندہ جس مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، وہ انہی دونوں چیزوں کے ضیاع یا کسی ایک کے ضیاع کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی کو اگر نقصان ہوتا ہے تو یا تو جلد بازی، بے صبری اور شروعات میں ہی بے وقوفی سے متاثر ہوجانے کے سبب ہوتا ہے، یا پھر سستی، بے حسی اور موقع ملنے کے بعد بھی اسے ضائع کردینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس اگر پہلے ثبات (استقامت) حاصل ہوجائے اور بعد میں عزم (پختہ ارادہ) آجائے، تو بندہ مکمل کامیابی حاصل کرلیتا ہے۔ (مفتاح دارالسعادۃ:۱/۱۴۲)

۴۔عمل میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا: جب بندہ عمل میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرتا ہے تو وہ عمل دیر پا رہتا ہے، پابندی کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے، لیکن طاقت سے زیادہ عمل کرنے سے جلد ہی ہمت ہار کر تھکا ماندہ ہوکر عمل چھوڑ دیتا ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات میں میانہ روی اختیار کرنے اور غلو وتشدد سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) ان کے پاس آئے، اس وقت ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی، آپ نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا، فلاں عورت اور اس کی نماز (کے اشتیاق اور پابندی) کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جاؤ (سن لو کہ) تم پر اتنا ہی عمل واجب ہے جتنے عمل کی تمہارے اندر طاقت ہے۔ اللہ کی قسم! (ثواب دینے سے) اللہ نہیں اکتاتا، مگر تم (عمل کرتے کرتے) اکتا جاؤ گے، اور اللہ کو دین (کا) وہی عمل زیادہ پسند ہے جس کی ہمیشہ پابندی کی جاسکے۔ (اور انسان بغیر اکتائے اسے انجام دے) بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ عورت رات میں نہیں سوتی تھی بلکہ پوری رات نماز پڑھتی تھی۔ (صحیح بخاری)

دوسری حدیث میں ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا (اور اس کی سختی نہ چل سکے گی) پس (اس لیے) اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو۔ اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی برتو اور خوش ہوجاؤ (کہ اس طرز عمل سے تم کو دارین کے فوائد حاصل ہوں گے) اور صبح اور دوپہر اور شام اور کسی قدر رات میں (عبادت سے) مدد حاصل کرو۔ (صحیح بخاری:۳۹)

اور ایک حدیث میں ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک رسی پر پڑی جو دو ستونوں کے درمیان تنی ہوئی تھی۔ دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا نے باندھی ہے جب وہ (نماز میں کھڑی کھڑی) تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹکی رہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں یہ رسی نہیں ہونی چاہیے اسے کھول ڈالو، تم میں ہر شخص کو چاہیے کہ جب تک دل لگے (جسم میں نشاط ہو) نماز پڑھے، تھک جائے تو بیٹھ جائے۔ (صحیح بخاری:۱۱۵۰)

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عبداللہ! فلاں کی طرح نہ ہوجانا وہ رات میں عبادت کیا کرتا تھا پھر چھوڑ دی۔ (صحیح بخاری:۱۱۵۲)

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان لكل عمل شرة وان لكل شرة فترة فمن كانت الى سنتي فقد افلح ومن كانت شرته الى غير ذلك فقد هلك (صحيح ابن حبان اسناده صحيح على شرطهما أخرجه احمد: ٦٩٥٨، والطبراني: ١٣/ ٤٢٩، ١٤٢٧٤ باختلاف يسير صحيح الجامع: ٢١٥٢)

بے شک ہر عمل کے لیے ایک جوش (ولولہ) ہوتا ہے اور ہر جوش کے بعد ایک سستی (ٹھنڈک) آتی ہے، پس جس کی یہ سستی میری سنت (طریقہ) کے مطابق ہو، وہ کامیاب ہوا اور جس کی یہ سستی میرے طریقے کے خلاف ہو، وہ ہلاک ہوگیا۔

ابن القیم رحمہ اللہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فكل الخير في اجتهاد باقتصاد واخلاص مقرون بالاتباع كما قال بعض الصحابه: اقتصاد في سبيل وسنة، خير من اجتهاد في خلاف سبيل وسنة، فاحرصوا أن تكون أعمالكم على منهاج الأنبياء عليهم السلام وسنتهم (مدارج السالكين: ۲/ ۱۰۸)

پس ہر خیر اس کوشش میں ہے جو میانہ روی کے ساتھ ہو اور اخلاص کے ساتھ، نیز سنت کی پیروی پر قائم ہو۔ جیسا کہ بعض صحابہ نے کہا: سنت اور راہِ مستقیم پر میانہ روی اختیار کرنا، اس شدید محنت سے بہتر ہے جو سنت اور راہِ نبوی کے خلاف ہو۔ لہٰذا تم کوشش کرو کہ تمہارے تمام اعمال انبیاء علیہم السلام کے طریقے اور سنت کے مطابق ہوں۔

☆☆☆

ابومعاویہ شارب بن شاکر السلفی، بہار

اسلام اور دہشت گردی

محترم قارئین! ۲۲/اپریل ۲۰۲۵ء کے دن دنیا کی جنت کہلائے جانے والی سرزمین وادیٔ کشمیر کے پہلگام میں جو ہوا اس سے ہماری آنکھیں اشکبار اور دل غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں، سب سے پہلے تو ہم بحیثیت ہندی مسلمان اس دردناک والمناک اوراذیت ناک واقعے کی پرزور مذمت بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ہماری ہمدردی ونمگساری ان مظلوم خاندانوں کے ساتھ ہے جنہوں نے اس حملے میں اپنے اپنے رشتے داروں کو کھویا ہے، دوسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ ایک سازش اور ایک منصوبے کے تحت گودی میڈیا اس ظالمانہ وسفاکانہ واقعے کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنارہی ہے۔ گودی میڈیا نے لوگوں کے ذہن ودماغ میں یہ زہر گھول دیا ہے کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ سفاکانہ وبربریت اور ظالمانہ حرکت اسلام کی تعلیم ہے اور ہر مسلمان ایسا ہی ہوتا ہے، لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں کہ اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اور ہر مسلمان دہشت گرد ہوتا ہے، جب کہ ساری دنیا اور ہر انصاف پسند شخص جس کے اندر ذرہ برابر بھی عقل وفہم ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح سے واقف ہے کہ اس طرح کے جتنے بھی واقعات ہوتے ہیں اس کا اسلام اور مسلمانوں سے دور تک کا بھی کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے، کہاں اسلام کی امن وشانتی اور انتی کا پیغام اور کہاں یہ ظلم وبربریت کی داستان، جو لوگ بھی یہ اوچھی اور نیچ حرکت کرتے ہوئے اس ظالمانہ واقعہ کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنارہے ہیں وہ لوگ یہ سن لیں کہ اس روئے زمین پر اسلام ہی وہ مذہب ہے جو سب سے زیادہ امن وشانتی اور انتی کا پیغام دیتا ہے، اور یہ پیغام مذہب اسلام کے نام سے ہی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کا معنی ہی ہوتا ہے، امن وشانتی، اب ذرا سوچئے کہ جس مذہب کے نام میں ہی امن وشانتی پائی جاتی ہو کیا اس مذہب میں اس طرح کی کوئی بھی تعلیم پائی جاسکتی ہے، ہرگز نہیں! بلکہ دہشت گردی تو ایک ایسا وحشیانہ فعل ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اسلام تو صرف محبت واخوت، رواداری وبھائی چارگی اور انسانیت کی ہمدردی وخیرخواہی کا درس وسبق دیتا ہے۔

اے اسلام ومسلمانوں کو بدنام کرنے والے انسانیت کے دشمنو! کائنات کے رب کی قسم! اس روئے زمین پر مذہب اسلام نے جتنی زیادہ اس طرح کے ظالمانہ وسفاکانہ رویے کی مذمت اور حوصلہ شکنی کی ہے شاید ہی اتنی زیادہ کسی اور مذہب نے کی ہو؟ اگر میری باتوں پر یقین نہ ہو رہا ہو تو پھر مذہب اسلام کے گرنتھ قرآن کو پڑھو اور دیکھو کہ اس میں مذہب اسلام کی کیا تعلیم ہے اور انسانیت کی ہمدردی وخیرخواہی کا کیا سبق دیا گیا ہے، اور اگر اسلام کا گرنتھ پڑھنا نہیں آتا ہے تو کوئی بات نہیں اگر اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو پھر اس کشمیری نوجوان سید عادل حسین شاہ کے کردار کو یاد کرلو جو تن تنہا انسانیت کے دشمنوں کے سامنے ڈٹ گیا، اور مسافروں وسیاحوں کو بچانے میں اپنی جان گنوادی، کیا اتنے اندھے ہو چکے ہو کہ تمہیں یہ ساری چیزیں نظر نہیں آتیں، کشمیری مسلمانوں کی بے لوث خدمتیں کیا تمہیں نظر نہیں آرہی ہیں، کیا تمہیں ایک مسلمان کا اپنے کندھے پر ایک غیر مسلم کو اٹھائے بھاگتے نظر نہیں آرہے ہیں؟ مصیبت کی گھڑی میں جو جو قربانیاں کشمیری مسلمانوں نے اپنے اپنے مالوں اور جانوں سے دی ہیں کیا تمہیں یہ ساری چیزیں نظر نہیں آرہی ہیں، تمہیں نظر آئے بھی کیسے؟ تم تو اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں اندھے ہو چکے ہو، تم تو بس اپنا ٹی آر پی بڑھانے کی غرض سے ہر آن اور ہر لمحہ ہندو مسلم کی سیاست کرتے رہتے ہو، آج اس واقعے پر ہندو مسلم کی سیاست کی جارہی ہے اور اس واقعے کی آڑ میں ہندو مسلم کی گنگا جمنی تہذیب کو زک پہنچانے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں، ایسی کٹھن اور تکلیف دہ گھڑی میں ہم برادران وطن سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ اے میرے ہندی بھائیو اور بہنو! مذہب وانسانیت کے دشمنوں کی چال کو سمجھو اور عقل سے کام لو اور آپس میں گتھم گتھا ہو کر انسانیت کے دشمنوں کو کامیاب نہ ہونے دینا، ورنہ بزبان شاعر یہ بات یاد رکھ لو کہ:

سبھی ہندو، مسلمانوں کو سمجھا دے کوئی جاکر
اگر نہ سمجھو گے تو پھر گندی سیاست مار ڈالے گی

بحیثیت مسلمان میں اہل دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ بات اچھی طرح سے جان لیں کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے، کسی بھی مذہب نے اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ کسی کا خون بہایا جائے چہ جائے کہ اسلام اس بات کی اجازت دے۔ اسلام اور دہشت گردی دو متضاد چیزیں ہیں، جس طرح سے رات اور دن ایک نہیں ہو سکتے ٹھیک اسی طرح سے اسلام اور دہشت گردی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں، جہاں دہشت گردی ہوگی وہاں اسلام نہیں ہوگا اور جہاں اسلام ہوگا وہاں دہشت گردی نہ ہوگی، اے انسانیت کے دشمنو! تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے

اور کیا تمہیں شرم نہیں آتی ہے کہ تم اس دہشت گردی کو اسلام سے جوڑتے ہو حالانکہ مذہب اسلام میں کسی دوسرے کی جان لینا تو دور کی بات ہے خود اپنی جان لینے کی بھی اجازت کسی کو نہیں ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے یہ اعلان کر رکھا ہے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اے لوگو! اپنے آپ کو ہلاک و برباد نہ کرو۔(البقرہ:195) کہیں اللہ نے فرمایا کہو لَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔(النساء:29) اور جس انسان نے اپنے آپ کو قتل کر دیا یعنی کہ خودکشی کر لی تو اسلام کا حکم یہ ہے کہ وہ سیدھا جہنم کے اندر جائے گا جیسا کہ جناب محمد عربیؐ نے فرمایا جو انسان خودکشی کرلے گا وہ سیدھا جہنم کے اندر جائے گا۔(بخاری: 1365) اور ایک دوسری روایت کے اندر محسن انسانیت جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک انسان نے خودکشی کر لی تو اللہ رب العزت نے یہ کہا کہ میرے بندے نے اپنی جان کے معاملے میں مجھ سے سبقت لینی چاہی، اس لئے میں نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔(بخاری:3013) اب ذرا سوچئے کہ جس مذہب میں اپنی جان لینے کی اجازت نہ ہو وہ مذہب کسی اور کی جان لینے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ اس مذہب اسلام میں سوائے الفت و محبت، امن و شانتی، عدل و انصاف، ایک دوسرے کی خیر خواہی اور انسانیت کی ہمدردی کے سوا کچھ اور نہ ملے گا، اللہ غارت کرے ان لوگوں کو جو اسلام کا نام لے کر اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور بے قصور لوگوں کی جانیں لیتے ہیں، اور جو لوگ بھی اس کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں وہ لوگ اسلام کا یہ پیغام سن لیں کہ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔(المائدہ:32) پہلگام میں جن لوگوں نے لوگوں کی جانیں لیں وہ نہ تو حقیقی مسلمان ہیں اور نہ ہی اسلام کا اس سے کچھ تعلق ہے، ہاں جس نوجوان نے مذہب کی پوچھ تاچھ کئے بغیر سیاحوں کی حفاظت میں سینہ سپر ہو کر گولیاں کھائی اور اپنی جان گنوا بیٹھا، یہی حقیقی مسلمان کی پہچان اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

جو لوگ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور بے قصور لوگوں کا قتل کرتے ہیں تو ایسے فسادیوں اور ایسے ظالموں کو اللہ رب العزت ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتا ہے بلکہ اللہ رب العزت ایسے ظالموں اور ایسے فسادیوں سے سخت نفرت کرتا ہے، فرمان باری تعالی ہے وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ اور ملک میں فساد کے خواہاں نہ ہو، یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔(القصص:77) اللہ نے فرمایا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(آل عمران:57)

کچھ لوگ اس طرح کے واقعات کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑتے ہیں جب کہ اسلام کا حکم اور اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ جو شخص کسی کو اپنی زبان یا پھر اپنے ہاتھ سے تکلیف دے تو وہ مسلمان کہلائے جانے کا حقدار اور مستحق نہیں ہے، کتنی شرم و عار کی بات ہے کہ تم ایسے فسادیوں کو مسلمان کہتے ہو اور اسلام ایسے فسادیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا ہے، جیسا کہ محسن انسانیت و رحمۃ للعالمین جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده'' کامل مسلمان وہ ہے جس کے زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(مسلم:41، بخاری:10) صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ کسی بھی انسان کو اگر کوئی تکلیف دیتا ہے تو وہ مسلمان کہلائے جانے کا حقدار نہیں ہے جیسا کہ جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں بے فکر رہیں اور کوئی خطرہ محسوس نہ کریں۔(احمد:8931) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدترین اور برا انسان وہ ہے جس سے خیر و بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور نہ ہی اس کی شرارتوں اور حرکتوں سے لوگ محفوظ ہوں۔(ترمذی:2263، اسنادہ صحیح) بلکہ ایسے لوگوں کو اسلام تو مومن ہی نہیں سمجھتا ہے جو کسی کو تکلیف دے جیسا کہ جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی (چاہے وہ مسلمان ہو یا پھر غیر مسلم) محفوظ نہ ہو۔(بخاری:6016) صرف اتنا ہی نہیں۔اسلام تو اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر کسی نے کسی کی بلاوجہ میں جان لے لی تو اللہ رب العزت اسے ایسی سزا دے گا کہ ویسی سزا پھر کسی اور کو نہ دی جائے گی جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے، اس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(النساء:93) صرف مومن یا مسلمان ہی نہیں بلکہ مذہب اسلام نے کسی کا بھی قتل کرنے کو حرام قرار دے دیا جیسا اللہ رب العزت کا یہ فرمان تمام انسانوں کے نام ہے کہ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ اور جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، مگر حق کے ساتھ (یعنی اگر کسی نے کسی کو قتل کر دیا ہے تو

بطور قصاص وقت کا حاکم اسے بھی قتل کرنے کا حکم دے گا) یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔(الانعام:151) کتنے بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس طرح کے واقعات کو اسلام اور مسلمانوں سے فوراً جوڑ دیتے ہیں۔

اس طرح کے دہشت گردانہ واقعات سے اور بے قصور لوگوں کے اوپر ہتھیار اٹھانے والوں کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ کر اسلام کو داغ دار کرنے کی ناپاک کوششیں کرتے ہوں جب کہ اسلام کا حکم اور اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی کی طرف کسی ہتھیار یا پھر کسی دھاردار چیز سے اشارہ بھی نہ کریں جیسا کہ پوری انسانیت کے خیر خواہ جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ (ہر وقت تمہارے ساتھ شیطان لگا ہوتا ہے اور) تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا ہے کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ کو ڈگمگا دے (اور پھر اس ہتھیار سے کسی کا جانی نقصان ہو جائے) جس کے نتیجے میں ایسا کرنے والا جہنمی ہو جائے۔(بخاری:7072،مسلم:2617) جس مذہب میں صرف ہتھیار سے اشارہ کرنا منع ہو اس مذہب میں کسی کے اوپر ہتھیار اٹھا کر اس کی جان لینے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس طرح کے واقعات کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ کر اسلام کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے جب کہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور نہ ہی معصوم بچوں کی جان لی جائے جیسا کہ محسن انسانیت جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم حالت جنگ میں بھی ضعیف و کمزور اور عورتوں، معصوم بچوں اور نوکروں کو قتل نہ کرنا۔(مسلم:4547،ابوداؤد:2614، الصحیحۃ:701، ابن ماجہ:2842) بلکہ اسلام کی پاکیزہ تعلیم تو یہاں تک ہے کہ دوسرے مذہب کے پادریوں اور پنڈتوں وغیرہ کو قتل نہ کیا جائے۔(احمد:2728) آج حالیہ واقعے اور دیگر واقعات کو فوراً اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ کر اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے مگر ذرا یہ سوچئے کہ پچھلے کچھ سالوں سے مسلسل ملعون متن یاہو فلسطینی معصوم بچوں پر بمباری کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں بزرگ اور بچے مارے جا چکے ہیں، عورتیں ماری جارہی ہیں، پورا غزہ شہر تباہ و برباد ہو چکا ہے مگر یہ دنیا اسے نہ تو آتنکواد کہتی ہے اور نہ ہی دہشت گرد۔

اور فرمان باری تعالی بھی ہے يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے، گو کافر برا مانیں، وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے دیگر تمام مذاہب پر غالب کر دے، اگر چہ مشرکین ناخوش ہوں۔(الصّف:8-9)

اس طرح کے واقعات کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ کر اسلام کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے جب کہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ بلا وجہ کسی جانور کا بھی قتل نہ کیا جائے، (احمد:6551،نسائی:4445) کسی جانور بلکہ کسی چرند و پرند کو بھی گالی نہ دی جائے،(ابوداؤد:5101) جانوروں کے اوپر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالی جائے۔(ابوداؤد:2549) اور نہ ہی کسی جانور کو بھوکا و پیاسا رکھا جائے۔(الصحیحۃ:20) اور نہ ہی کسی جانور کے اوپر نشانے کی پریکٹس کی جائے، (مسلم:1956) بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہاں تک ہے کہ کمزور جانوروں پر سواری نہ کی جائے (الصحیحۃ: 23) اور نہ ہی جانوروں کے اوپر بلا ضرورت کرسی سمجھ کر بیٹھا جائے۔(الصحیحۃ:21) جانوروں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کیا جائے اور جو جانوروں کے ساتھ رحم و کرم کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ رحم و کرم کرے گا۔(الصحیحۃ:26) بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہ بھی ہے کہ جانوروں کو اچھی طرح سے کھلانے اور پلانے پر بھی اجر و ثواب ہے،۔(بخاری:6009،مسلم:2244) صرف یہی نہیں بلکہ اسلام نے یہاں تک اعلان کر دیا ہے کہ جانوروں کو ستانے، مارنے اور پیٹنے کی وجہ سے ایک انسان جہنمی بن گیا (بخاری:2365،مسلم:2242،الصحیحۃ:28) اور اسی کے برعکس ایک انسان جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے جنت کے اندر داخل ہو گیا۔ (بخاری:6009،مسلم:2244) اے اسلام کو بدنام کرنے والو تم لوگوں کی جان لینے والوں اور ان قتل کرنے والے آتنک وادیوں کو اسلام سے جوڑتے ہو جب کہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے تم اپنے ناخن سے کسی جانور کو خراش تک نہ آنے دو جیسا کہ محسن انسانیت جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم موجود ہے کہ اے لوگو تم جانوروں کے تھنوں سے دودھ نکالنے سے پہلے اپنے اپنے ناخنوں کو تراش لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ناخن سے جانوروں کے تھنوں میں خراش آجائے۔(الصحیحۃ:317) جس مذہب میں جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہو کیا وہ مذہب کسی انسان کے جان لینے کی اجازت دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں؟

ایک سازش اور منصوبے کے تحت ہر آتنکواد کو مذہب اسلام سے جوڑ دیا جاتا ہے جب کہ دنیا جانتی ہے کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے۔یقیناً بے قصور لوگوں کی جان لینا آتنک واد اور دہشت گردی ہے اور پہلگام میں جو کچھ ہوا ہم اس کی مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ مذہب کے نام پر قتل کرنے والے ملزموں کو کیفر کردار تک پہنچائے، ہم تو حکومت سے یہی کہتے ہیں کہ اس طرح کے جتنے بھی واقعات ہوتے ہیں اس میں ملوث تمام افراد کو بلا تفریق مذہب پھانسی دے دی جائے کیونکہ آتنک واد اور دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات ملک کے امن و امان کو تہس نہس کرنے والی چیز ہوتی ہے۔

آخر میں اس مذہب اسلام کے بارے میں ایک اور حیران کن بات کو بتا کر مضمون کو ختم کرتا ہوں، آپ نے واٹس ایپ کے اوپر ایک فنکشن میٹا اے آئی (AIMeta) ضرور لکھا دیکھا ہوگا، جب میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ کیا اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے؟ تو اس میٹا اے آئی (AIMeta) نے جو جواب دیا آپ اس کو جان کر انگشت بدنداں ہوں گے، اس نے جو جواب دیا میں ہو بہو نقل کر رہا ہوں، ''نہیں، اسلام دہشت گردی نہیں سکھاتا، اسلام ایک شانتی پریہ دھرم ہے جو مانوتا (انسانیت) کی ایکتا، دَیا (رحم) اور نیائے (انصاف) کا سندیش (پیغام) دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ دہشت گردی اور اتیاچار (ظلم وزیادتی) کی گھٹنائیں اکثر دھارمک (مذہب کے نام پر) اور راجنیتک سندھربوں (سیاسی معاملات) سے جڑی ہوتی ہیں، ان گھٹناؤں کو اسلام کے نام پر کرنے والے کچھ لوگ اپنے سوارتھ (مفاد) یا وِچار دھارا (خیالات) کے لئے دھرم (مذہب) کا دُراپیوگ (غلط استعمال) کرتے ہیں''، اب آخر میں میٹا اے آئی (AIMeta) کیا کہتا ہے ذرا غور سے پڑھئے، وہ کہتا ہے کہ ''یہ یاد رکھنا مہتوپورن (اہم) ہے کہ اسلام کی اصلی شکشا (تعلیم) شانتی، سہیوگ (تعاون) اور سمان (عزت) کی ہے''۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ایک اور حیران کن انکشاف کو پڑھئے، جب یہی سوال میں نے مشہور اے آئی ٹول گروک (Grok) سے پوچھا کہ کیا اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے تو اس گروک نے کیا جواب دیا وہ بھی میں آپ کو ہو بہو نقل کر دیتا ہوں، گروک کا جواب تھا ''نہیں اسلام دہشت گردی نہیں سکھاتا، اسلام ایک دھرم ہے جو شانتی، دیا اور مانوتا کو بڑھاوا دیتا ہے، قرآن اور حدیث میں بار بار شانتی، شہشوڑتا (صبر وتحمل) اور دوسروں کے پرتی (حق میں) سمان (عزت) کی بات کہی گئی ہے، اداہرن (مثال) کے لئے قرآن (32:5)۔ (المائدہ:32) میں کہا گیا ہے کہ ایک بے گناہ انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے، حالانکہ کچھ لوگ اپنے نجی (ذاتی) یا راج نیتک ادیش (سیاسی فائدہ ومقصد) کے لئے دھرم کا غلط استعمال کرتے ہیں اور ہنسا (ظلم) کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے سچے سدھانتو (اصولوں) کا پرتنیدھتو (نمائندگی) نہیں کرتے، اَدھی کانش (اکثر وبیشتر) اسلامی ودوان (اسلامی دانشور) اور سمودائے (برادری وسماج) ایسی حرکتوں کی نندا (مذمت) کرتے ہیں''۔ اے آئی ٹول اس اسلام کے بارے میں جو حقیقت وسچائی بیان کر رہا ہے، درحقیقت یہی تو اسلام ہے مگر کچھ لوگ اپنے مفاد کے لئے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں، ان تمام باتوں سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ اسلام صرف اور صرف امن وشانتی کا مذہب ہے اور دنیا بھر میں ہونے والے دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اب آخر میں ہم اللہ رب العزت سے یہی دعا کر رہے کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے اس ملک کو امن کا گہوارہ بنادے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے مفتی واستاد مولانا نور الھدی سلفی صاحب کے والد گرامی کا انتقال پُرملال: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے مفتی اور استاد مولانا نور الھدی سلفی صاحب کے والد گرامی جناب عین الھدی صاحب کا آج بتاریخ 30/مئی 2025ء بعد نمازِ فجر مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نیک، پابند صوم وصلوٰۃ، ملنسار اور علماء کے قدردان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگزر کرے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔ (شریک غم: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

ذوالحجہ کا چاند نظر آ گیا

دہلی: ۲۸/مئی ۲۰۲۵ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/ ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۸/مئی ۲۰۲۵ء بروز بدھ بعد نماز مغرب اہل حدیث کمپلیکس، اوکھلا، نئی دہلی میں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی اور رؤیت ہلال ماہِ ذو الحجہ ۱۴۴۶ھ کے سلسلے میں حسب سابق ملک کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں اور ملی تنظیموں سے بذریعہ فون رابطے کیے گئے۔ چنانچہ متعدد صوبوں سے رؤیت عامہ کی مصدقہ ومستند خبریں موصول ہوئیں۔ بنابریں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ کل مورخہ ۲۹/مئی ۲۰۲۵ء کو ماہ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ ہوگی اور بتاریخ ۷/جون ۲۰۲۵ء بروز سنیچر عیدالاضحیٰ منائی جائے گی۔ ان شاءاللہ

مکتبہ ترجمان کی
نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	36/-
چمن اسلام اول	30/-
چمن اسلام دوم	36/-
چمن اسلام سوم	40/-
چمن اسلام چہارم	40/-
چمن اسلام پنجم	50/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	232/-

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، مئو

باب من أجاز الطلاق الثلاث

(صحیح البخاری کتاب الطلاق باب ۴)

اس تبویب اور ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقصود ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں اسے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ''أجاز'' کے بجائے ''جوّز'' ہے، بہرصورت اس کا ترجمہ یہ ہے: اس کا باب اور اس کی دلیل جس نے تینوں طلاق دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ (خواہ متفرق تین مجالس اور تین طہر میں خواہ ایک ہی مجلس اور ایک طہر میں، بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہی ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اس ترجمۃ الباب میں اس طرف اشارہ ہے کہ سلف میں بعض کا موقف یہ ہے کہ تینوں طلاق دے دینا خواہ بیک مجلس ہو، خواہ بمجالس متفرقہ، جو کہ بینونۃ کبری کا موجب ہوتی ہے، ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، کیونکہ اس سے وہ گنجائش ختم ہو جاتی ہے جو دو طلاق تک کی صورت میں حاصل ہوتی ہے، یعنی دورات عدت، رجعت کی اور بعد انقضائے عدت تجدید نکاح کی۔

اسی طرح بعض ائمہ اہل بیت، بعض ائمہ ظاہریہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ بیک وقت و بیک طہر تینوں طلاق دینا نہ صرف ممنوع ہے، بلکہ اس صورت میں طلاق واقع ہی نہیں ہوگی، ایک بھی نہیں کیونکہ قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق شرعی طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ تین طلاق یکے بعد دیگرے تین مختلف طہر میں دی جائے نہ کہ بیک وقت تینوں طلاق دے دی جائے۔ اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے بیک دفعہ یکجائی تین طلاق دینے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور اسے تلاعب بکتاب اللہ قرار دیا۔ لہذا اس صورت میں طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوگی۔ (فتح الباری: ۹/۳۶۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیک مجلس و بیک دفعہ تین طلاق دینا ممنوع اور بدعت و معصیت ہے (تاہم تینوں طلاق واقع ہو جائے گی)۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیک مجلس و بیک دفعہ تین طلاق دینا ممنوع نہیں جائز ہے (اور تینوں واقع بھی ہو جائے گی)۔

اور بہت سے ائمہ کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ بیک طہر و بیک مجلس تین یا ایک سے زائد طلاق دینی ممنوع ہے۔ بیوی بیک وقت و بیک طہر ایک سے زائد طلاق کی محل نہیں، لہذا بیک وقت و بیک دفعہ ایک سے زائد طلاق دینے کی صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی، جس کی وہ محل ہے، باقی لغو ہو جائے گی، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مروی حدیث ابن عباس سے ثابت ہے۔

مذکورہ ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود بظاہر صرف ان لوگوں کی دلیل بیان کرنا ہے جو فی الجملہ تین یا تینوں طلاق دینے کو جائز کہتے ہیں، خواہ بصورت مجالس ثلاثہ متفرقہ ہو، یا بمجلس واحد ہو، بس یہ ہے امام بخاری کا مقصود، نہ کہ ایک مجلس کی یکجائی تین طلاق کے وقوع کو بیان کرنا۔

چنانچہ امام موصوف نے پہلی صورت کی دلیل کے طور پر اولاً: آیت کریمہ **(الطلاق مرتان فامساک بمعروف أو تسریح باحسان)** پیش فرمائی ہے جس میں تین طلاق بمجالس متفرقہ کا ذکر ہے، کیونکہ "الطلاق مرتان" کا معنی مراد یہ ہے کہ طلاق (شرعی یا رجعی) دو بار ہے، دو مرتبہ میں ہے، یعنی دو مجلس میں دو طہر میں نہ کہ بیک دفعہ، اور تیسری طلاق جو تیسری مجلس میں ہوگی اس کا ذکر "تسریح باحسان" میں ہے۔ ظاہر ہے اس آیت کریمہ سے ایک مجلس کی یکجائی تین طلاق کے وقوع کا ثبوت نہیں ہو سکتا، اس میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

"مرتان" کا اصل معنی لغۃً و عرفاً یہی ہے، یعنی دو مرتبہ میں دو مجلس میں یکے بعد دیگرے ذیل میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں چند مفسرین کی تفسیری تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) تفسیر کشاف میں تحریر فرماتے ہیں:

"الطلاق بمعنی التطلیق کالسلام بمعنی التسلیم أي التطلیق الشرعي تطلیقه، بعد تطلیقه، دون الجمع والارسال دفعة واحدة، ولم یرد بالمرتین التثنیة ولکن التکویر .....''

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ طلاق شرعی یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے، نہ کہ یک جا بیک دفعہ متعدد طلاقیں دے دی جائیں، "مرتان" سے تثنیہ (دو مطلق) مراد نہیں ہے بلکہ تکرار، یکے بعد دیگرے دو مراد ہے، جیسے اللہ تعالی کے قول "ثم ارجع البصر کرتین" میں ''کرتین'' سے تکرار، یکے بعد دیگرے مراد

ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے بھی "مرتان" کی یہی تفسیر اور اس کا یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں: "فثبت أن هذه الآية دالة على الأمر بتفريق الطلقات وعلى التشديد في ذلك الأمر والمبالغة". (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۴۸)

قاضی ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) اپنی کتاب "أحكام القرآن" میں آیت کریمہ "الطلاق مرتان" کی تفسیر کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"والدليل على أن المقصد فيه الأمر بتفريق الطلاق ..... لأنه قال "الطلاق مرتان" وذلك يقتضي التفريق لا محالة، لأنه ان طلاق اثنتين معا، لما جاز أن يقال طلقها مرتين ..... فثبت بذلك ان ذكره للمرتين انما هو أمر بايقاع مرتين، ونهى عن الجمع بينهما في مرة واحدة .....".

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) "تفسیر مظہری" میں تحریر فرماتے ہیں:

"فان كلمة "مرتان" تدل بالعبارة على التفريق، وبالاشارة على العدد".

علامہ سید سابق رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"المرتان والمرات في لغة القرآن والسنة، بل ولغة العرب، بل ولغة سائر الأمم، لما كان مرة بعد مرة، فاذا جمع المرتين والمرات في مرة واحدة فقد تعدى حدود الله تعالى، وما دل عليه كتابه". (فقہ السنۃ: ۲/۲۳۹)

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"مرتان" کے لفظ میں اس طرف اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ دو طلاق بیک لفظ و بیک وقت نہ ہوں بلکہ دو طہر میں الگ الگ ہوں،..... الفاظ قرآن (الطلاق مرتان) میں طلاق دو مرتبہ دینے کا مقصد یہی ہے کہ الگ الگ طہر میں دو طلاق دی جائیں۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۵۵۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے تین طلاق کی پہلی صورت یعنی تین طلاق بمجالس متفرقہ کے جواز کی دلیل کے طور پر ثانیاً باب کی دوسری اور تیسری حدیثیں روایت فرمائی ہیں، ان دونوں حدیثوں کا تعلق رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق سے ہے اور معلوم ہے کہ انہوں نے تین طلاق بمجالس متفرقہ الگ الگ تین طہر میں دی تھیں، ظاہر ہے اس سے فی الجملہ تینوں طلاق واقع کرنے اور تینوں طلاق دے دینے کا جواز ثابت ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاعہ قرظی پر اس بارے میں کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ لیکن ظاہر ہے اس کا بیک مجلس و بیک وقت دی گئی تین طلاق کے وقوع و نفاذ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ان کی تین طلاقیں تین الگ الگ اوقات اور تین طہر میں تھیں، نہ کہ بیک وقت بیک دفعہ۔

تنبیہ: دوسری حدیث کا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق سے متعلق ہونا تو ظاہر و واضح ہے، اور تیسری حدیث بھی درحقیقت اسی سے متعلق ہے، کیونکہ یہی حدیث دو باب کے بعد "باب من قال لامرأته أنت علي حرام" میں بھی مکرر مروی ہے، وہاں حافظ ابن حجر نے "رجل" مبہم سے رفاعہ کے مراد ہونے کی تصریح فرمائی ہے، البتہ زیر بحث ترجمۃ الباب کی اس تیسری حدیث کی شرح میں بس ایک ادنی احتمال کے طور پر کہا کہ اگر "رجل" سے مراد رفاعہ قرظی ؓ کے علاوہ ہوں تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ رفاعہ قرظی ہی کے مثل طلاق کا واقعہ ایک اور صحابی کا بھی ہے۔ بہرصورت یہ واقعہ طلاق بھی بمجالس متفرقہ طلاق ثلاث کا ہے نہ کہ بیک مجلس طلاق ثلاث کا۔

اور تین یا تینوں طلاق دینے کی مذکورہ صورت یعنی طلاق ثلاث بمجلس واحد و بیک وقت، تو اس کے بھی جواز کے جو لوگ قائل ہیں ان کی دلیل کی طرف امام بخاری ؒ نے باب کی پہلی حدیث سے اشارہ کیا ہے جو حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان سے متعلق ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے تمام لعان کے بعد متلاعنہ کو تین طلاق دیا (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، خاموش رہے) تو اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ بیک مجلس تین طلاق دینا جائز ہے، شاید کچھ لوگوں نے ایسا سمجھا ہے۔

حالانکہ ایسا سمجھنا بالکل درست نہیں، کیونکہ متلاعنہ لعان ہی سے بالکل جدا اور اجنبیہ ہو چکی تھی، وہ محل طلاق ہی نہیں رہی تھی کہ اسے جدا کرنے کے لئے طلاق دینے کی ضرورت ہو، یہ طلاق بے محل لغو اور بے اثر تھی، اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خاموش رہے اور کچھ نہیں فرمایا، اور ظاہر ہے اس سے تو یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ایک مجلس کی تین طلاق کی صورت میں تینوں واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس واقعہ میں بیک مجلس تین طلاق، بلکہ مطلق طلاق ہی بجائے خود بے محل اور لغو تھی، اس کے وقوع کا کوئی سوال کوئی مطلب ہی نہیں، سید الفقہاء امام بخاری ؒ کے اس واقعہ سے ایک مجلس کی تین طلاق کی صورت میں اس کے واقع ہو جانے پر استدلال کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض علماء کا امام موصوف کی طرف یہ منسوب کرنا قطعی نادرست

ہے، بالکل سطحی بات ہے۔ (عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان وطلاق سے متعلق یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس واقعہ میں لفظ ''طلقھا'' کو علی سبیل التنزل ثابت مان کر لکھا گیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں اس کا ثبوت بہت کچھ محل نظر ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں فاضل گرامی مولانا ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ کی کتاب احکام طلاق''۔ (ص ۶۳۰ تا ۶۴۷) موصوف نے اس موضوع پر مفصل چشم کشا بحث کی ہے۔)

تنبیہ: سطور بالا میں تفصیل سے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرتان کا معنی مرة بعد مرة (یکے بعد دیگرے) باوقات متفرقہ ہے، اسی سے شارح صحیح بخاری علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے اس قول کی بھی تغلیط اور تردید ہو جاتی ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ:

''اللہ تعالی کا قول ''الطلاق مرتان'' دو طلاق کے جمع کرنے پر دلالت کرتا ہے، تو جب دو طلاق کو بیک دفعہ جمع کرنا جائز ہوا تو تین طلاق کا بیک دفعہ جمع کرنا بھی جائز ہوا''۔ حالانکہ یہ بالکل غیر تحقیقی بات ہے، کیونکہ جیسا کہ محقق کیا گیا ''مرتان کا لغۃً وعرفاً اصل معنی مرۃ بعد مرۃ ہے دو وقت میں دو طہر میں دو طلاق دینا ہے نہ کہ دو طلاق کو ایک وقت میں جمع کرنا، اس آیت میں ایک دفعہ میں دو طلاق دینے اور جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ امام رازی، امام ابو بکر جصاص رحمہم اللہ وغیرہم نے صراحت کی ہے۔

نیز خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی کے مذکورہ قول کو نقل کر کے اس کی تغلیط وتردید فرمادی ہے، فرماتے ہیں، یہاں تین طلاقوں کے جمع کرنے کو دو طلاقوں کے جمع کرنے پر قیاس کرنا واضح طور پر قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ دو طلاق کو جمع کرنا، دو طلاق بیک دفعہ دینا بینونۃ کبری کو مستلزم نہیں ہے، بلکہ ایسی دو طلاق کے بعد بھی دوران عدت رجعت کا، اور انقضائے عدت کے بعد تجدید نکاح کا اختیار باقی رہتا ہے، بخلاف یکجائی تین طلاق کے کہ اس کے بعد ایسا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے۔ (حافظ ابن حجر کا یہ جواب بیک مجلس ایک سے زائد طلاق کے وقوع کے قائلین کے مذہب پر مبنی ہے)۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ''باب من أجاز الطلاق الثلاث'' سے امام بخاریؒ کی مراد یکجائی تین طلاق، طلاق ثلاث بمجلس واحد ہے''۔ (فتح الباری: ۹/۳۶۵)

تو یہ محل نظر ہے، بلکہ نادرست ہے کیونکہ اس صورت میں ترجمۃ الباب سے نہ مذکورہ آیت کریمہ کی مطابقت رہتی ہے، نہ دوسری وتیسری حدیثوں کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت رہتی ہے۔

فائدہ: آیت مذکورہ ترجمۃ الباب میں ''فامساک بمعروف'' سے (دستور کے مطابق روک لینا) مراد ہے، دو طلاق شرعی کے بعد دوران عدت رجعت کر لینا، اور ''أو تسریح باحسان'' (بھلے طریقے سے رخصت کر دینا، چھوڑ دینا) سے مراد کے بارے میں دو قول ہے ایک تو یہ کہ دو طلاق کے بعد آئندہ طہر میں تیسری طلاق دے دے جس کے بعد رشتہ نکاح بالکل منقطع ہو جائے گا نہ دوران عدت رجعت کی گنجائش ہوگی، نہ بعد انقضائے عدت بغیر تحلیل شرعی تجدید نکاح کی گنجائش ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دو طلاق کے بعد دوران عدت رجعت نہ کرے، چھوڑ دے، عدت گذر جانے دے، عدت گذر جانے کے بعد یہ مطلقہ بالکل جدا اور آزاد ہو جائے گی۔ کسی بھی دوسری مناسب جگہ شادی کر سکتی ہے، البتہ اس صورت میں عدت گذر جانے کے بعد اگر چہ رشتۂ نکاح ختم ہو جاتا ہے، لیکن ان دونوں (طلاق دہندہ ومطلقہ) کو حلالہ شرعیہ کے بغیر بھی شریعت کے معروف طریقہ پر پھر باہم نکاح کر لینے اور زوجین بن جانے کا اختیار رہتا ہے۔

اس دوسری تفسیر کے بموجب تیسری طلاق کا ذکر آئندہ آیت (فان طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره .....) میں ہوا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فقہی کتب تفسیر وکتب فقہ۔

☆ باب کی دوسری حدیث عائشہ صدیقہ میں جو ''طلقني فبتّ طلاقي'' وارد ہے، تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ بلفظ بتہ طلاق دیا، بلکہ مراد یہ ہے کہ (بمجالس متفرقہ) تینوں طلاق دیا، جیسا کہ اس کے بعد کی حدیث میں، اور کتاب الادب، باب التبسم والضحک میں مروی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں اس کی تصریح ہے، اہل مدینہ ایسی تین طلاق کو طلاق بتہ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

☆ یہ جو کچھ بحث واختلاف ہے وہ فی الجملہ تین طلاق کے ذریعہ علیحدگی سے متعلق ہے، لیکن اس میں کوئی کلام اور اختلاف نہیں کہ زوجین کے درمیان کسی وجہ سے قطعی علیحدگی کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہ جائے تو اس صورت میں از روئے شرع بہتر طریقہ بس یہی ہے کہ شوہر بیوی کو اس کی پاکی یعنی طہر کی حالت میں بس ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت گذر جانے دے، رجعت نہ کرے، انقضائے عدت کے بعد یہ مطلقہ بالکل جدا اور بائنہ ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں یہ گنجائش رہے گی کہ یہ دونوں (طلاق دہندہ ومطلقہ) پھر مل کر رہنا چاہیں اور گھر بسانا چاہیں تو شریعت کے معروف طریقہ پر پھر از سر نو (تحلیل شرعی کے بغیر) باہم نکاح کر سکتے ہیں۔ دو طلاق دو طہر میں علیحدہ علیحدہ دینے کی صورت میں بھی حکم یہی ہے۔

☆☆☆

مولانا محمد اسحاق بھٹی

مولانا عبدالجلیل سامرودی

(وفات ۱۹۷۳ء)

ہندوستان کے علاقہ (اب صوبہ) گجرات کو کسی زمانے میں علم وعلماء کے بہت بڑے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ متعدد مقامات میں اپنے عہد کے ممتاز علمائے کرام آباد تھے۔ متحدہ ہندوستان میں عربی کے تین ادیبوں نے بڑی شہرت پائی۔ وہ تھے مولانا عبدالعزیز میمن، مولانا محمد سورتی اور مولانا عبدالمجید حریری۔ حسن اتفاق سے یہ تینوں اہل حدیث تھے اور ان میں سے دو (مولانا عبدالعزیز میمن اور مولانا محمد سورتی) کا وطنی تعلق علاقہ گجرات سے تھا۔ گجرات ہی میں ایک گاؤں ''سامرود'' کے نام سے موسوم ہے۔ سامرود کے رہنے والے ایک عالم دین مولانا محمد سامرودی تھے جو اس علاقے میں علوم حدیث میں عبور رکھتے تھے۔ ان کا انتقال (۱۵۔۱۳۱۴ھ (۹۸۔۱۸۹۷ء) میں طاعون کی بیماری سے ہوا۔ مولانا محمد سامرودی کے بیٹے مولانا ابوالسعادات علی احمد سامرودی تھے۔ یہ دونوں باپ بیٹا علم وعمل میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی، انہی مولانا محمد کے پوتے اور مولانا ابوالسعادات علی احمد کے فرزند تھے۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں سے بعض کتابیں اردو میں ہیں، بعض عربی میں اور بعض گجراتی زبان میں۔ ان کی ایک کتاب کا نام ''زہرۃ ریاض الابرار'' ہے۔ اس کا نام عربی قسم کا ہے، لیکن یہ کتاب اردو زبان میں ہے۔ اس کے ابتداء میں انھوں نے ''تعارف مؤلف کتاب بقلم مؤلف زہرۃ الابرار'' کے عنوان سے اپنے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ اس کا آغاز وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''دوستو! اگر میں بذاتِ خود اپنا قدرے تعارف کراؤں تو معیوب نہ ہوگا۔ اس لیے کہ قدیم زمانے سے تا ایں زمان علمائے اسلام برابر اپنی اپنی تالیف میں اپنا تعارف وتراجم لکھتے چلے آئے ہیں۔ نمونے کے لیے الفوائد البہیہ علامہ لکھنوی اور البدر الطالع امام شوکانی، تاریخ مصر وغیرہ سیوطی، تصانیف حافظ ابن حجر عسقلانی اور نواب والاجاہ بھوپالی وغیرہ وغیرہ۔ حسب ارشاد **واما بنعمة ربک فحدث** ۔ نعمت خداوندی کا بلا افراط وتفریط ظاہر کرنا شرعاً معیوب نہیں۔''

مولانا سامرودی کا یہ ارشاد بے حد لائق تحسین ہے۔ اپنا تعارف خود کرانا چاہیے اور اپنے حالات سے لوگوں کو مطلع کرنا چاہیے۔ ہم کسی محکمے میں ملازمت کے لیے درخواست دیں تو اس میں اپنے تعلیمی کوائف لکھتے اور اپنی ڈگریوں سے متعلقہ محکمے کو مطلع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حالات سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے واقعاتِ زندگی بیان فرمائے۔ ائمہ سلفؒ نے اپنے تراجم کی تفصیلات لوگوں کے سامنے رکھیں۔ ان کے جن واقعات سے ہمیں شناسائی ہوئی ہے، وہ ہم تک کیسے پہنچے؟ ان میں سے بعض انھوں نے خود بتائے اور بعض دوسرے لوگوں نے بیان کیے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تاریخ منجمد ہو جاتی اور ہم اپنے اسلاف کی تاریخ سے محروم رہ جاتے۔ اسی خدشے کے پیش نظر متعدد حضرات نے اپنے واقعاتِ حیات خود بیان کرنا ضروری سمجھا ہے، تاکہ ان کے بعد ان کے حالات لکھنے والوں کو پریشانی نہ ہو، اور نہ ان کے حالات میں افراط وتفریط سے کام لیا جائے۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی ۱۰۔۱۳۰۹ھ (۹۳۔۱۸۹۲ء) کو بمقام سامرود پیدا ہئے جوان کا آبائی گاؤں تھا۔ ان کی ولادت سے چھ سال بعد ۱۸۹۷ء کے پس وپیش ان کے گاؤں میں طاعون کی وبا پھیلی، جس سے بے شمار لوگ وفات پا گئے اور مولانا کے بقول اس ''ہمہ گیر طاعون نے قریہ سامرود کے اکثر گھروں کو تالے لگوا دیے تھے۔''

طاعون بیماری سے مولانا ممدوح کے خاندان کی اولاد نرینہ میں سے تین فرد زندہ بچے۔ ایک مولانا خود جو اس وقت چھ سات سال کے بچے تھے، دوسرے ان کے چچا کا ایک لڑکا اور تیسرے ان کے چچا۔ چار عورتیں موت سے محفوظ رہیں۔ ایک ان کی پھوپھی، ایک ان کے مرحوم چچا کی بیٹی اور دو مولانا کی بہنیں۔ بقول ان کے ''اللہ عزوجل نے اس طاعون میں اس گھرانے کا اختتام کر دیا۔''

۱۳۲۲ھ (۵۔۱۹۰۴ء) میں مولانا عبدالجلیل سامرودی تحصیل علم کے لیے کسی نہ کسی طرح دہلی پہنچے اور حضرت میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے مدرسے میں قیام کیا۔ اس وقت ان کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ مدرسے کے مہتمم نے یہ کہہ کر انھیں اس مدرسے میں داخل کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم کم سن بچوں کو اپنے مدرسے میں داخل نہیں کرتے۔ اس وقت وہاں مولانا عبدالعزیز میمن موجود تھے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ انھیں صدر میں مولوی عبدالوہاب صاحب کے مدرسے میں پہنچا دیا جائے، وہ ہر عمر کے طالب علم کو داخل کر لیتے ہیں۔ ان کے چچا یا ماموں مولانا محمد سورتی بھی وہیں مقیم تھے۔ انھیں مولانا عبدالوہاب صاحب کے مدرسے میں داخل کرا دیا گیا۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی کی علمی حالت اس وقت یہ تھی کہ صرف ناظرہ قرآن مجید پڑھا تھا اور اردو کی دوسری اور تیسری دو کتابیں پڑھی تھیں۔ اردو اچھی طرح نہ بول

سکتے تھے، نہ سمجھ سکتے تھے۔ مولانا عبدالوہاب صاحب نے انھیں مدرسے میں داخل کرکے دوسرے طلبا کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ شروع کرادیا اور ساتھ ہی ابواب الصرف شروع کرادی۔ ترجمہ قرآن لفظی حرف بحرف پڑھایا جاتا تھا اور صیغے بھی پوچھے جاتے تھے۔

مولانا سامرودی فرماتے ہیں کہ ایک روز پڑھنے کی میری باری آئی۔ استاذ مرحوم نے ترجمہ اچھی طرح حرف بحرف سمجھایا اور پھر فرمایا: ''اب آگے چلو'' یعنی آگے کے الفاظ پڑھو۔ لیکن میں نے استاذ کے ساتھ وہی الفاظ زبان سے ادا کیے اور کہا: ''اب آگے چلو'' فرماتے ہیں: ''یہ تھی میری لیاقت۔''

خود فرماتے ہیں کہ وہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ ''بہ مشکل بس ٹوٹا پھوٹا سا لکھتے تھے۔''

وہ مناظروں کا دور تھا۔ غیر مسلموں سے بھی مناظروں کا سلسلہ چلتا تھا اور آپس میں بھی علم کا یہ دنگل جاری رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا سامرودی کے زمانہ طالب علمی میں دہلی میں آریہ سماج سے مناظرہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالحق حقانی مناظر تھے۔ لیکن مناظرہ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالجلیل سامرودی نے مولانا امرتسری کو دیکھا۔ اس مجمع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا امرتسری نے طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ طلباء کو ہر علم میں اونچے معیار پر پہنچنے کا عزم کرنا چاہیے۔ علم الاجتہاد میں وہ امام اعظم سے بھی آگے بڑھنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں۔ علم الحدیث میں امام بخاری سے اونچے درجے تک رسائی حاصل کرنے کا ارادہ رکھیں۔ طالب علم اگر آگے بڑھنے کا عزم کریں گے اور اس کے لیے کوشاں ہوں گے تو زندگی کے ہر مرحلے میں اللہ کی مہربانی سے کامیابی حاصل ہوگی۔ لیکن اگر ابتدا ہی میں انسان پست ہمت ہو تو وہ کچھ بھی حاصل نہیں کرسکے گا۔ مولانا سامرودی فرماتے ہیں ''مولانا ثناء اللہ امرتسری کی یہ بات میرے دماغ میں اچھی طرح رچ گئی۔'' ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں انھیں حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس برس کی تھی۔ وہاں انھوں نے آب زمزم پیتے ہوئے اور ملتزم میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے باری تعالیٰ مجھے علم حدیث میں امام بخاری کے درجے تک پہنچادے اور تحقیقات میں حافظ ابن حجر عسقلانی سے فوقیت عطا فرما۔ بقول ان کے ''یہ اس عاجز کی دلی دعا تھی یا ایک قسم کا جنون تھا۔ مگر اللہ عزوجل نے اس احقر پر تحقیقات میں وہ کرم فرمایا کہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔''

مولانا ممدوح فرماتے ہیں بہت سے اہم مسائل میں میری تحقیق حافظ ابن حجر کی تحقیق سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے کسی مسئلے پر غور کیا اور ایک نتیجے پر پہنچا۔ پھر فتح الباری کی طرف رجوع کیا تو اس میں وہی بات ملی جو مجھے اپنے غور وفکر سے معلوم ہوئی تھی۔ یعنی ''میری تحقیق حافظ کی تحقیق سے موافقت کرتی ہے۔ جو میری تحقیق ہوتی ہے وہی حافظ کی ہوتی ہے۔ گو میں نے حافظ کی فتح الباری کی عبارات کا اس سلسلے میں مطالعہ نہیں کیا ہوتا۔ یہ اس احقر پر خدا کی عظیم مہربانی ہے۔''

مولانا مزید فرماتے ہیں: ''بعض ایسی چیزیں مجھے مل جاتی ہیں جو بعد جستجو کے حافظ ابن حجر کو نہیں ملیں۔''

وہ آگے فرماتے ہیں:

''مجھے اس پر فخر نہیں۔ نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں ان سے زیادہ لیاقت کا آدمی ہوں۔ نہیں نہیں۔ وہ مجھ سے لاکھوں درجات اعلیٰ وافضل اور بڑے ہیں۔ میں ان کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ الفضل للمتقدم۔ یہ ناچیز ان کے برابر ہرگز اپنے آپ کو تصور نہیں کرسکتا، چہ جائے کہ ان سے افضل کے خواب دیکھے۔ ہاں البتہ دوسروں کی طرح آنکھیں بند کرکے ان کی تحقیق کو نہیں مان سکتا۔''

مختلف علمائے کرام کے نزدیک مولانا عبدالجلیل سامرودی کو جو قدر ومنزلت حاصل تھی، اس کا تذکرہ **وامابنعمة ربک فحدث** کے پیش نظر فرماتے ہیں۔

(۱).....۶۔اپریل ۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان کو خط لکھا کہ آپ اور مولانا عبدالعزیز میمن امرتسر آکر اس علمی نزاع کا فیصلہ کردیں جو ان کے اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی کے درمیان چل رہا ہے۔ اسے مولانا امرتسری کی طرف سے ان کے علم وفضل اور فہم وفراست کا اعتراف قرار دینا چاہیے۔

(۲).....کسی معاملے میں کچھ باتیں مولانا ابوالقاسم بنارسی نے بھی لکھنا تھیں اور مولانا عبدالجلیل سامرودی نے بھی۔ مولانا سامرودی نے وہ باتیں لکھ کر مولانا ابوالقاسم کو بھیج دیں، لیکن مولانا ابوالقاسم بنارسی فوری طور پر نہ لکھ سکے۔ مولانا سامرودی کی تحریر پڑھ کر انھوں نے مولانا سامرودی کو لکھا کہ قدوتی ومولائی آپ کا مضمون پہنچا۔ بے ساختہ ہزاروں دعائیں زبان سے جناب کی شان میں نکلیں۔ میں ڈیڑھ ماہ سے مواد تلاش کررہا ہوں اور آپ نے چند روز میں پورا جواب لکھ ڈالا۔ پڑھ کر عقل دنگ رہ گئی کہ کہاں سے مواد جمع کیا اور کس خوب صورتی سے مرتب کردیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص فضل ہے، جس سے ہم محروم ہیں۔''

(۲).....مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری ۲۲/اگست ۱۹۵۷ء کے ایک خط میں مولانا سامرودی کو لکھتے ہیں:

''سیف بنارسی کے بعد صرف آپ کے دم سے جماعت کا بھرم ووقار قائم ہے۔ ایسے وسیع النظر عالم، امام الوقت کہاں ملتے ہیں۔''

(۴).....علامہ مہاشہ سکسینہ مولانا عبدالرحیم فیروزآبادی ضلع آگرہ اپنے خط (مؤرخہ ۲۹/جولائی ۱۹۶۳ء) میں مولانا سامرودی کو لکھتے ہیں:

''جلسۂ اہل حدیث فیروزآباد کے موقعے پر میں نے آپ کے متعلق پوچھا۔ میں نے علماء سے کہا کہ ہندوستان اور پاکستان میں قرآن وحدیث وفقہ کا صرف ایک عالم ہے، جس کے علم اور معلومات کا کنارہ نہیں ہے۔ فروعات میں ان کا میل نہ اہل حدیث کی طرف ہے، نہ حنفیوں کی طرف، وہ ہے مولانا عبدالجلیل سامرودی۔''

(۵).....قصبہ لاج پور میں ایک دیوبندی عالم مولانا مرغوب احمد اقامت گزیں

تھے۔ وہ مولانا عبدالجلیل سامرودی کے شدید مخالف تھے۔ رمی جمار کے متعلق انھوں نے مولانا سامرودی سے بعض استفسارات کیے۔ مولانا نے فوراً حدیث وفقہ کی دس کتابوں کے حوالوں سے انھیں جواب دیا۔ انھوں نے ۲۳؍جنوری ۱۹۵۷ء کو مولانا سامرودی کو خط لکھا کہ ''جناب محترم نے بہت قلیل وقت میں دس کتابوں کے حوالے سے جواب تحریر فرمایا۔ اس سے جناب کی وسعت نظری اور مذاہب غیر کے بارے میں معلومات کا پتا چلتا ہے۔ رب زدایمانا ویقینا وفقها.

مولانا عبدالجلیل سامرودی نے تفسیر، حدیث، فقہ عربی ادبیات، صرف ونحو اور منطق وفلسفہ وغیرہ اس دور کے تمام نصابی علوم کی تحصیل مولانا عبدالوہاب دہلوی سے کی اور انہی سے سند فراغت لی۔ اس دور کے ایک مشہور عالم علامہ سید محمد بدرالدین دمشقی تھے جن کا دمشق کے مدرسہ دارالحدیث نبویہ میں سلسلہ درس جاری تھا۔ انھیں مولانا سامرودی کی بعض عربی تحریریں پہنچیں تو وہ ان سے متاثر ہوئے اور مولانا نے ان سے اجازۂ حدیث طلب کیا۔ انھوں نے محدثین کے طریقے کے مطابق سند اجازۂ حدیث ارسال فرمائی جس میں تحریر فرمایا:

''منهم مولانا الفاضل المدقق الشيخ المحقق العلامة ابى عبدالكبير الشهير بعبدالجليل السامرودى ادام الله نفعه آمين''

مولانا عبدالجلیل سامرودی فرماتے ہیں ان کے متعلق ان کے عہد کے یہ چند علمائے کرام کے تاثرات ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات کے خطوط ان کے پاس موجود ہیں، جن میں اس قسم کے تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی ائمہ عظام اور علمائے کرام کا ذکر بے حد احترام سے کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام نہیں لکھتے بلکہ ان کے لیے ''امام اعظم'' کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی لکھنوی کو جو مشہور حنفی عالم ومصنف تھے، ''علامہ لکھنوی'' اور اہل حدیث عالم ومفسر نواب صدیق حسن خاں کے لیے ''نواب والا جاہ بھوپالی'' کے الفاظ رقم فرماتے ہیں، ان کے اصل نام نہیں لکھتے۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ''علامہ امرتسری'' مولانا حافظ عبداللہ روپڑی کو ''مولانا روپڑی''، مولانا عبدالعزیز میمن کو ''ادیب الہند علامہ عبدالعزیز میمن'' لکھتے ہیں۔ اپنے دور سے قبل کے اصحابِ علم کا بھی اور اپنے معاصر علماء کا بھی وہ نہایت تکریم سے ذکر فرماتے ہیں۔ اپنے سخت مخالف دیوبندی عالم مولانا مرغوب احمد کا نام بڑے احترام سے ''مولانا مرغوب احمد'' تحریر کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ ''ہمارے مخالفین'' میں سے ہیں۔

مولانا سید عبداللہ غزنوی کے لیے ان کے یہ الفاظ ہیں: ''حضرت مولانا عارف باللہ عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ''

اس وقت میرے سامنے مولانا سامرودی کی ۲۰؍جولائی ۱۹۶۴ء کی ایک تحریر ہے جو ان کی کتاب زہرۃ ریاض الابرار کا مقدمہ ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی تصانیف کے نام پر یہ الفاظ لکھ کر تحریر کیے ہیں۔ ''اس ناچیز کی چند تصانیف کے نام۔''

(۱)....وسيلة النجات فى اتباع سنة نبينا سيدنا السادات (عربى، اردو) (۲)....اعتقاد الاكابر فى اجراء الصفات على الظواهر. (عربى) (۳)....الباعث الحثيث فى فضل علم الحديث واهله الاحيث (عربى) (۴)....زهرة رياض الابرار (۵)....اعلام سنن الغنى فى تلخيص الضعفاء والمتروكين من كتاب ابى الحسن الدار قطنى (عربى) (۶)....الدليل الاظهر فى تحقيق معنى الله اكبر (عربى) (۷)....الغمغمه فى سنية التسمية عند الاطعمة وغيرها دون البسملة (عربى) (۸)....الغمغمه مع ترجمة الجمجمة (۹)....الفاكهة الفريضه فى جواز رفع الايدى بعد الفريضه. (۱۰)....صمصام الموحدين. (۱۱)....اصلاح الجرح المتين فى تثليث التامين (۱۲)....بوئے غسلین از قطرات عشرین (۱۳)....نسيم الرياحين من رياض الصالحين شرح رياض الصالحين امام نووى. (۱۴)....الخزى الوجيل لمن صنف الجرح الجميل. (۱۵)....الخزى الوجيل لمن صنف الجرح الجميل (۱۶)....نيل المرام بازالة الاوهام عن اسنان ما يضحى من بهيمة الانعام. (۱۷)....تعليم الدين المعروف به قوانين شرع محمدى. (۱۸)....احقاق الحق الحقيق. (۱۹)....تحذير الانام عن وساوس مانعى القرأة خلف الامام. (۲۰)....اظهار آئينۂ حقيقت (۲۱)....الحق الصحيح الصريح فى التراويح. (۲۲)....اللمس العين فى رد دلائل عدم رفع اليدين.

یہ پچیس کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض عربی میں ہیں، بعض اردو میں اور بعض عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہیں۔

ان کے علاوہ انھوں نے متعدد کتابیں اور بھی تصنیف کیں۔ کئی کتابیں گجراتی زبان میں تالیف کیں۔ مشکوۃ شریف کا عربی میں حاشیہ لکھا۔ امام بیہقی کی کتاب القرأت کا ترجمہ بھی انھوں نے کیا۔ اہل حدیث کے نزدیک اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ امام بیہقی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت احادیث نبویہ وآثار صحابہ سے دیتے ہیں اور ادلہ صحیحہ سے مانعین فاتحہ خلف الامام کا رد کرتے ہیں۔

مولانا عبدالجلیل سامرودی نے ''الامر الرشاد'' کے نام سے تفسیر ثنائی اور ترجمے کے بارے میں بھی کتاب لکھی جو چھپ چکی ہے۔

میرے زمانہ ادارت میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ مولانا سامرودی تیز نویس مصنف اور مشہور محقق تھے۔ انھوں نے ۱۹۷۳ء میں وفات پائی۔

(بشکریہ: گلستان حدیث)

☆☆☆

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے : (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292